بسم اللہ الرحمن الرحیم
جدید دور کے ایک عظیم فتنہ کا جواب
بُرہان بدوش قلم کے ساتھ
اسلام
اور
وحدتِ ادیان
تالیف
حضرۃ مولانا حافظ محمد شعیب حفظہ اللہ سیالکوٹی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

نام کتاب — اسلام اور وحدتِ ادیان

مؤلف — (حضرۃ مولانا) حافظ محمد شعیب سیالکوٹی حفظہ اللہ

جامع مسجد اہل حدیث پورہ ہیراں سیالکوٹ

(المعروف مسجد حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ والی)

صفحات — 240

طباعت — باراوّل جنوری 2012

تعداد — 1000

کمپوزنگ — ندیم بھٹہ سیالکوٹ 0334-8068104
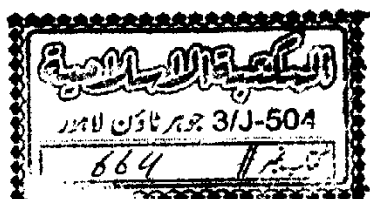
قیمت —

﴿فی سبیل اللہ تقسیم کیلئے ہے﴾

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ
۴۱	خلاصہ کلام	۱۱۸
۴۲	بشارت نمبر ۱۶: از۔صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۵۲ آیت ۱۳	۱۱۹
۴۳	بشارت نمبر ۱۷: از۔صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۶۰ آیت اوّل	۱۲۰
۴۴	بشارت نمبر ۱۸: از۔کتاب دانیال علیہ السلام باب دوم	۱۲۵
۴۵	عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب	۱۲۷
۴۶	بشارت نمبر ۱۹: از۔انجیل متی باب سوم آیت اوّل	۱۲۸
۴۷	بشارت نمبر ۲۰: از۔انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۲	۱۲۹
۴۸	بشارت نمبر ۲۱: از۔انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵	۱۳۱
۴۹	لفظ فارقلیط کی تحقیق	۱۳۴
۵۰	جواب	۱۳۹
۵۱	نصاریٰ کے چند شبہات، اوہام اوران کا ازالہ	۱۴۸
۵۲	بشارت نمبر ۲۲: از۔انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱	۱۵۰
۵۳	بشارت نمبر ۲۳: از۔انجیل متی باب ۲۰ آیت اوّل	۱۵۲
۵۴	امر بالمعروف ونہی عن المنکر	۱۵۴
۵۵	نظریہ وحدت ادیان کا تاریخی پس منظر	۱۵۵
۵۶	قریش ابوطالب کی خدمت میں	۱۵۸
۵۷	ابوطالب کو قریش کی دھمکی	۱۵۸
۵۸	قریش ایک بار پھر ابوطالب کی خدمت میں	۱۵۹
۵۹	دین اسلام کا مقام ومرتبہ	۱۶۴
۶۰	اسلام کی عظمت کی ایک مثال	۱۶۷

نمبر شمار	فہرست عنوانات	صفحہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی. اَمَّا بَعْد

باعثِ تالیف

اس کتاب کے لکھنے کا سبب یہ ہے کہ ایک دفعہ مجھے فضیلۃ الشیخ مفسّرِ قرآن حافظ صلاح الدین یوسف صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر ''احسن البیان'' پڑھنے کا اتفاق ہوا، تفسیر کو ہاتھ لگاتے ہی سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۶۲ میرے سامنے آئی جس میں حافظ صاحب نے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض جدید مفسرین کو آیت کا مفہوم سمجھنے میں بڑی غلطی لگی ہے اور انہوں نے اس آیت کریمہ کو دلیل بنا کر ''نظریہ وحدتِ ادیان'' کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے تو آپ کو ''نظریہ وحدتِ ادیان'' کے مفہوم کا پتہ چل جائے گا باقی میری نظروں سے یہ نام پہلی دفعہ گزرا تھا ایک طالبعلم ہونے کی حیثیت سے جبکہ مجھے درسِ نظامی سے فارغ ہوئے ابھی تقریباً دو سال کا عرصہ گزرا ہوگا، میرے ذہن میں چند سوالات پیدا ہوئے کہ یہ کیسا نظریہ ہے ؟ اس کا بانی کون ہے؟ اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ یہ کب ایجاد ہوا اور کہاں سے ہوا؟ انہی اٹھے ہوئے سوالات نے میری طبعیت میں جستجو پیدا کر دی کہ کاش اس موضوع پر کوئی ایسی کتاب مل جائے جس میں ان سب سوالات کے جوابات مجھے مل جائیں اور میں یہ جان لوں کہ اس نظریہ کو ماننے والے لوگوں کے عقائد و نظریات کیا ہیں ؟ لیکن تلاش کرنے کے باوجود کوئی ایسی کتاب بازار سے مجھے نہ مل سکی، ہر طرف سے جواب نفی میں ملنے کی وجہ سے میرے جذبات بھی سرد پڑ گئے لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد جب میں نے جامع مسجد اہلحدیث پورہ ہیراں رنگپورہ سیالکوٹ میں فجر کی نماز کے بعد قرآن حکیم کا درس شروع کیا جس میں ترجمہ و تفسیر ہوتا ہے یہ درس میں نے 2 نومبر 2010ء کو شروع کیا تھا اور اب تک الحمد للہ جاری ہے اور چار سپارے مکمل ہو چکے ہیں، اس سلسلے میں جب مَیں سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۶۲ پر پہنچا تو پھر میرے ذہن میں وہ سوالات پیدا

ہوئے جو اُس وقت پیدا ہوئے تھے میں نے پھر جستجو شروع کی، بازار سے دینی کتب کی بڑی بڑی دوکانوں سے پتہ کیا مگر پھر وہی جواب ملا جو پہلے ملا تھا لیکن اب کی دفعہ میرے ذہن نے ان سوالات کے جوابات کی ضرورت شدت سے محسوس کی اور طبیعت نے مجبور کیا کہ اس نظریہ کے مفہوم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کا بغور مطالعہ کیا جائے اور اس نظریہ کے باطل ہونے کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا جائے، جب میں نے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اس موضوع سے متعلقہ قرآن وحدیث سے مواد جمع کرنا شروع کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل سے میرے لئے یہ کام آسان کر دیا (میرا سینہ کھول دیا) اللہ کی دی ہوئی توفیق سے تقریباً میں نے چار ماہ تک سارا مواد جمع کر کے اسے کتابی شکل دے دی۔ کتاب کی کمپوزنگ مکمل ہونے کے بعد جب میں لاہور چھپوائی کیلئے ریٹ پوچھنے گیا تو میں نے پھر کوشش کی کہ شاید اب ہی مارکیٹ میں اس موضوع پر کوئی کتاب آ گئی ہو تو پتہ کرنے سے پھر جواب نفی میں ملا یہ 18 اکتوبر 2011ء کی بات ہے بلکہ مکتبہ سلفیہ پر میری ملاقات پروفیسر ابو عبداللہ محمد العثمانی صاحب پرنسپل فہم القرآن اکیڈمی لاہور سے ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے بھی "وحدت ادیان" کے موضوع پر کتاب کی بڑی تلاش کی ہے لیکن نہیں ملی پھر پروفیسر صاحب نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ کاش کوئی اللہ کا ولی مرد مجاہد اس موضوع پر قلم اٹھائے اور اس فتنے کے رَد میں کتاب لکھے تو میں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے بعد جواب دیا کہ پروفیسر صاحب اس موضوع پر کتاب لکھی جا چکی ہے اور میں نے لکھی ہے تو بڑی گرمجوشی کے ساتھ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مجھ سے ہاتھ ملایا اور کچھ دیر حیرت انگیز نگاہوں سے میرے چہرے کی طرف دیکھتے رہے اور بعد میں مجھ سے کہنے لگے کہ وہ کتاب کب مارکیٹ میں آئے گی میں کہا کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ چھپ جانے کے بعد میں آپ کو ضرور بھیجوں گا۔ ان شاءاللہ

اسی طرح کچھ اور لوگوں سے بھی ملاقات کے بعد میں نے محسوس کیا کہ پاکستان میں

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اس بات کے خواہشمند ہیں کہ کاش (اُردو) زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی جائے ،ایک دوست سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے بتایا کہ میں نے اس موضوع پر ایک سی ڈی دیکھی جس میں ایک انٹرنیشنل کانفرنس کی ریکارڈنگ تھی اور وہ کانفرنس شاید سعودی عرب میں ہوئی تھی یا کسی اور ملک میں اسمیں مَیں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ اس نظریہ کو فروغ دینے کیلئے وہ کانفرنس ہوئی اور اس میں (پوپ) نے سعودی عرب کے بادشاہ کے گلے میں صلیب ڈالی اور اس کا ماتھا چوما، آپ اندازہ کریں کہ انٹرنیشنل سطح پر اس فتنے کو رائج کرنے میں یہود و نصاریٰ کس قدر کوشاں ہیں اور مسلمانوں کے قائدین کس قدر گمراہی کا شکار ہو چکے ہیں۔ یہ ایک ایسا نظریہ ہے کہ جس کی اسلام سخت مخالفت کرتا ہے اور زیادہ تر تعلیم یافتہ طبقہ اس نظریہ سے بہت زیادہ متاثر ہو رہا ہے اور سب سے زیادہ افسوس کن بات یہ کہ مذہبی لوگ بھی اس باطل نظریہ کو پھیلانے میں معاون بنے ہوئے ہیں اور بہت حد تک اس سے متاثر بھی ہو رہے ہیں اس نظریہ کی تفصیل تو آپ اس کتاب میں پڑھیں گے ایک چھوٹا سا حوالہ اس کتاب کے قاری کیلئے نقل کرتا ہوں پڑھنے کے بعد خود فیصلہ کریں یہ حوالہ مجھے کسی دوست نے کسی کتاب سے فوٹو کاپی کر کے بھیجا ہے کتاب کا موضوع تو کوئی اور ہے صرف چلتے چلتے مصنف نے یہ ایک چھوٹی سی مثال دے کر مسلمانوں کو عقیدہ ولاء اور براء سے متعارف کرایا ہے:۔

''یہود و نصاریٰ نے ''وحدتِ ادیان'' کی طرف دعوت پر کافی زور دیا کبھی ''تقارب بین الادیان'' اور کبھی ''دینی تعصب کا خاتمہ'' کا نام دیا اور کبھی ''دینی بھائی چارے'' کیلئے مصر میں مرکز قائم کئے گئے حتیٰ کہ ''مجمع الادیان'' کے نام سے بعض جگہ سنٹر قائم کئے گئے اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اس بات کی دعوت دی جانے لگی کہ ایک ہی چار دیواری اور احاطے میں مختلف مذاہب کی عبادت گاہیں بنائی جائیں مسجد، کنیسہ، گرجا گھر اور مندر ایک ساتھ ہوں ایک ہی کتاب میں تمام مذہبی کتابوں کو جمع کر دیا جائے اور پھر معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ تمام مذاہب والے ایک

ساتھ، ایک ہی جگہ اور ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھیں حتیٰ کہ اسے عملی جامہ بھی پہنایا گیا اور ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو اٹلی میں پوپ کی امامت میں تمام مذاہب کے پیروکاروں نے مشترکہ نماز پڑھی، یہ تاریخ کا وہ پہلا واقعہ تھا کہ مسلمانوں کی امامت کوئی کافر کر رہا تھا پھر بعد میں بھی جاپان کے اندر کیٹو پہاڑی کی چوٹی پر یہ نماز ادا کی گئی اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس بار اس نماز میں بعض مشہور اسلامی جماعتوں کے نمائندے بھی شامل تھے آخر کفر سے عملی رضامندی کی اس سے واضح مثال اور کہاں مل سکتی ہے۔" [تفصیل کیلئے دیکھئے: بکر بن ابوزید کی کتاب الابطال ص ۲۳، ۲۴]

نوٹ:۔ یہ کتاب "الابطال لنظرية الخلط بين الاديان" عربی زبان میں ڈاکٹر بکر بن عبداللہ ابوزید ایک عربی عالم کی لکھی ہوئی ہے جیسا کہ حوالہ سے معلوم ہوتا ہے یہ ساری باتیں جان لینے کے بعد مجھے بہت زیادہ احساس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس ذات اقدس نے مجھ جیسے ناچیز کو یہ توفیق بخشی ورنہ میں اس قابل تو نہ تھا۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ○

آخر میں میں اپنے اللہ کے حضور دعا گو ہوں کہ اے اللہ اس کتاب کو عوام الناس کیلئے نفع بخش اور ہدایت کا ذریعہ بنا اور میرے لئے صدقہ جاریہ اور میری اس کاوش کو قبولیت کا درجہ عطا فرما۔

رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمِ وَتُبۡ عَلَیۡنَا اِنَّکَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمِ.

(آمین یارب العالمین)

العبد الضعیف

حافظ محمد شعیب سیالکوٹی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. اَمَّا بَعْد

مذہبی حلقوں میں ایک نظریہ بڑی مقبولیت کے ساتھ پایا جا رہا ہے جسے ''وحدت ادیان'' کا نظریہ کہتے ہیں اس نظریہ کا مفہوم یہ ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے جو حیثیت اسلام کی ہے وہی سابقہ تمام مذاہب کی ہے لہذا دنیا کا کوئی شخص جس مذہب پر چاہے عمل کر کے نجات پا سکتا ہے۔ صرف راہیں جدا جدا ہیں لیکن منزل تو ایک ہے اگر منزل ایک ہو تو راستوں کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا سارے مذاہب کا سرچشمہ ایک ہی بزرگ و برتر ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ، آخرت میں نجات کسی ایک مذہب کی پیروی میں منحصر ہے ایسا کہنا بے جا تعصب اور تشدد ہے۔ اس نظریہ کے مطابق نبوتِ محمدی ﷺ پہ ایمان لانا ضروری نہیں ہر انسان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی ایک مذہب پر عمل کر کے نجات پا سکتا ہے۔ اس نظریہ نے چونکہ یہود و نصاریٰ کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور اسلام دشمن تنظیموں نے اسے ایجاد کیا ہے اور اسلام کے خلاف یہ ایک گہری سازش ہے اور عصرِ حاضر کے فتنوں میں سے ایک بڑا اہم اور خطرناک فتنہ ہے جس سے نہ صرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ ہی متاثر ہے بلکہ بعض مذہبی حلقوں میں بھی اسے بڑی مقبولیت حاصل ہے۔

پھر اس نظریہ کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے خود دین کی جو غایت اور رسالت کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ اس نظریہ کے خلاف نہیں، قرآن خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ تمام انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین اللہ ہی کے تھے وہ یہاں تک کہتا ہے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے سارے دین اسلام ہی کے داعی تھے لہذا جس کسی نبی کی پیروی کر لی جائے وہ اللہ ہی کی بندگی ہوگی، لیکن قرآن علی الاعلان اس نظریہ کی مخالفت کرتا ہے۔

تو آیئے قرآن کی روشنی میں اس نظریہ کی جانچ پڑتال کرتے ہیں، قرآن کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاo

"بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں رسول پر تو ایمان لاتے ہیں اور فلاں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان (ایک تیسری) راہ اختیار کریں، ایسے ہی لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔" [سورۃ النساء: ۱۵۰،۱۵۱]

قرآن نے اس آیت کریمہ میں اپنے مخاطبوں پر جو فرد جرم عائد کیا ہے وہ یہ ہے:

☆ اولاً:۔ یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کا کفر کرتے ہیں۔

☆ ثانیاً:۔ یہ کہ وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں۔

☆ ثالثاً:۔ یہ کہ وہ کچھ پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں۔

قرآن نے یہاں نہایت صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ پکے کافر تو یہی ہیں کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں۔ اللہ نے جن کو رسول بنا کر بھیجا ہے ان میں سے جس کو چاہتے ہیں مانتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں نہیں مانتے، قرآن کی زبان میں اسی کا نام تفریق بین الرسل ہے یعنی خدا کے رسولوں میں باعتبار تصدیق تفرقہ و امتیاز کرنا یعنی ایسا سمجھنا کہ ان میں سے فلاں سچا تھا اور فلاں سچا نہ تھا یا کسی ایک کی تصدیق کرنی باقی سب سے انکار کر دینا، سب کی تصدیق کرنی کسی ایک کا انکار کر دینا۔ قرآن کہتا

ہے ہر راست باز انسان کا جو اللہ کے سچے دین پر چلنا چاہتا ہے فرض ہے کہ بلا کسی امتیاز کے تمام رسولوں، تمام کتابوں، تمام دعوتوں پر ایمان لائے اور کسی ایک کا بھی انکار نہ کرے۔ راہیں صرف دو ہیں ایمان کی اور انکار کی، ایمان کی یہ ہے کہ سب کو مانو، انکار یہ ہے کہ سب کا یا کسی ایک کا انکار کردو، کسی ایک کا انکار بھی وہی حکم رکھتا ہے جو سب کے انکار کا ہے۔ قرآن کے الفاظ پر غور کیجئے یہ صاف اعلان کرتے ہیں کہ کسی ایک رسول کا انکار بھی آخری درجہ کا کفر ہے اور اس ایک انکار کی موجودگی میں باقی سارے انبیاء کا اقرار بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ اس آیت کریمہ کے مخاطب اہل کتاب اور منافق ہیں اور اہل کتاب میں یہودیوں میں یہ چیز زائد تھی کہ وہ کچھ رسولوں کو مانتے تھے اور کچھ کو نہیں مانتے تھے قرآن دو ٹوک الفاظ میں کہتا ہے کہ راہیں صرف دو ہیں ایمان کی اور انکار کی، دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں (۱) مادہ پرست (۲) خدا پرست۔

(۱) مادہ پرست

مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے دائرہ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی، مذہبی خوش اعتقادی سے زیادہ نہیں ہے اس لئے وہ دعوت انبیاء میں ایمان کا نام سنتا ہے تو بے ساختہ اس کا مذاق اڑاتا ہے کیونکہ وہ ایمان کو صرف ایک جہالت یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔

(۲) خدا پرست

اس کے مقابلے میں دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو محسوسات کے دائرے میں محدود سمجھنا ایک بنیادی غلطی ہے وہ انبیاء کی فہم وفراست اور ان

کی امانت وصداقت پر اعتماد کر کے عالم بالا پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتے ہیں۔

ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی صورت قابل اعتماد ہے جبکہ عالم غیب پر ہو ورنہ مشاہدات پر یقین کرنا ایمان نہیں کہلاتا، پانچ باتیں ایمان کے اصلی عناصر ہیں:۔

(۱) یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ (۲) اس کے تمام رسولوں پر ایمان۔

(۳) اس کی کتابوں پر ایمان۔ (۴) اس کے فرشتوں پر ایمان۔

(۵) روز جزا پر ایمان۔

تو آیئے! ان عقائد خمسہ کو بنی اسرائیل کی زندگی کے تاریخی آئینہ میں دیکھتے ہیں تا کہ واقعاتی طور پر مشاہدہ ہو جائے، یہود کے ایمان باللہ کا حال یہ ہے:۔

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ''ہم تو جب تک اللہ کو اعلانیہ دیکھ نہ لیں تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔'' [البقرۃ:۵۵]

یہود کے ایمان بالرسول کا حال یہ ہے:۔

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ۝ ''رسولوں کے ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔'' [البقرۃ:۸۷]

یہود کے ایمان بالکتاب کا حال یہ ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۔ ''کیا تم کتاب کے بعض احکام مانتے ہو اور بعض کا انکار کر دیتے ہو؟'' [البقرۃ:۸۵]

یہود کے ایمان بالملائکہ کا حال یہ ہے:۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ

لِلْکٰفِرِیْنَ ۔ ''جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا، جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ خود (ایسے) کافروں کا دشمن ہے۔'' [البقرۃ:۹۸]

یہود کے ایمان بالیوم الآخر کا حال یہ ہے:۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَۃً ۔ ''وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ چند دنوں کے سوا انہیں آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔'' [البقرۃ:۸۰]

قرآن نے یہاں لفظ ایمان بول کر تمام ایمانیات مراد لی ہیں بلکہ اس میں اشارتاً یہ بھی بتا دیا ہے کہ جب ان کے ایمان ہی کی زمین بنجر تھی تو اعمالِ صالحہ کے کسی پودے کا وہاں کوئی امکان ہی نہ تھا کیونکہ اعمالِ صالحہ کے پودے تو ایمان کی زمین پر لگتے ہیں۔

کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے

وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ ۔ ''اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں رسول پر تو ایمان لاتے ہیں اور فلاں کا انکار کرتے ہیں'' [سورۃ النساء:۱۵۰]

تفریق بین اللہ و رسلہ کے مفہوم میں یہ ساری باتیں داخل ہیں کہ اللہ کو مانتے ہیں اور اللہ کے رسولوں کو نہیں مانتے، یہ بھی کہ اللہ کے رسولوں میں سے کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہ اللہ کی بات مانتے ہیں اللہ کے رسول کی بات کو نہیں مانتے اور یہ بھی کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں سے کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے اور یہ الفاظ کہ [وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ] اور کہتے ہیں کہ ہم کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے، کے زیادہ مناسب تفریق بین الرسل اور بین الاحکام ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ توحید کے قائل ہیں مگر رسالت کو نہیں مانتے اور جو لوگ رسالت کو مانتے

ہیں مگر کسی رسول کو نہیں مانتے اور جو لوگ اللہ کی بات مانتے ہیں مگر رسول کی بات نہیں مانتے اور بالآخر جو لوگ اپنی زندگی کی کچھ شاخوں میں اللہ اور اس کے رسول کی بات نہیں مانتے وہ سب [يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ] کا مصداق ہیں، کوئی صراحۃً کوئی دلالۃً اور کوئی اشارتاً اگرچہ [نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ] کا قرینہ بتاتا ہے کہ مراد دو ہی قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو کچھ رسولوں کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے، دوسرے وہ جو احکام کی حد تک تفریق روا رکھتے ہیں۔

غرض جس طرح انسان کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور خواہش سے جس نبی کا چاہے انکار کر دے اسی طرح اس کو یہ حق بھی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکامِ دین کی پیروی میں اپنے ذوق یا خواہش کے تحت کسی میں امتیاز سے کام لے جن احکام کو چاہے عمل کیلئے منتخب کرے اور باقی سب سے بے پروا ہو جائے اس طرح کی کوئی بھی تفریق ایمان کے قطعی خلاف ہے:۔ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا○ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا○

''وہ ایمان و کفر کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں یہی لوگ بلاشبہ پکے کافر ہیں۔'' [سورۃ النساء]

تشریح:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان آتشیں الفاظ کی حیثیت ایک مخلص دیندار آدمی کیلئے بڑی معنی خیز تنبیہ کی سی ہے جو ہر آن اسے چوکنا رکھنا چاہتی ہے کہ خبردار اس مہلک غلط فکری، غلط کاری کے قریب ہرگز نہ جانا کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہیں بلکہ بڑا خوفناک جرم ہے جس کا ارتکاب بڑے سنگین نتائج پیدا کرتا ہے اور وہ خطرناک اور سنگین نتائج یہی کہ ایمان و کفر کے درمیان راہ نکالنا چاہتے ہیں اس نظریہ (وحدت ادیان) کے

باطل ہونے کی مثال یوں سمجھئے کہ ہر نبی اللہ کی طرف سے حاکمِ مجاز ہوتا ہے یعنی اس کی زمین پر اس کا خلیفہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق کے وقت کہا تھا کہ [اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً] ''میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں'' اور خلیفہ وہ ہوتا ہے جو کسی کی مِلک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے، خلیفہ مالک نہیں ہوتا بلکہ اصل مالک کا نائب ہوتا ہے اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں تو اس حاکمِ مجاز کا انکار دراصل اس کا انکار نہیں بلکہ حاکمِ حقیقی کا انکار ہے اس کے خلاف بغاوت کا اعلان ہے اور اس انکار و اعلان بغاوت کی موجودگی میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کا اقرار بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی حکومت کے مقرر کئے ہوئے دوسرے افسروں کو تو اس کا نمائندہ اور حاکم مجاز تسلیم کر لیا جائے اور پھر اسی حکومت کے کسی ایک افسر کو اس کا نمائندہ اور حاکمِ مجاز ماننے سے انکار کر دیا جائے تو یہ حکومت کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ اپنی رائے اور خواہش کی اطاعت ہوئی، اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان لوگوں کو جو کسی ایک رسول کا انکار کرتے ہیں سارے رسولوں کا منکر قرار دیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ قوم نوح علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: [وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ] ''اور قوم نوح علیہ السلام نے جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر دیا'' [الفرقان: ۳۷]

حالانکہ ازروئے واقعہ انہوں نے صرف ایک رسول حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی باقی رسولوں کا تو ان کے سامنے کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ قرآن حکیم کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ''اور جو رسول بھی آتا ہے اسی لئے آتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے'' اللہ کے حکم کے

مطابق ایک دوسرے مقام پر یہ الفاظ ہیں: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''کہ جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے دراصل اللہ کی اطاعت کرتا ہے'' جب واقعہ اور حقیقت یہ ہے تو کیا اس کا کھلا اور واضح مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی رسول کو نہ ماننا فی الواقع اِذنِ خداوندی کو ٹھکرانا اور اللہ کی اطاعت کا انکار ہے ایسی حالت میں ایک رسول کا انکار بھی کفر وبغاوت کا آخری درجہ کیوں نہ ہوگا اور اللہ کے ایک ایک رسول کو رسول برحق مانے بغیر ایمان کی سند کا ملنا اصول اور انصاف کی بات کیسے ہوگی؟ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے اپنے جن پیغمبروں کا دور ختم کر دیا اور اپنی جن شریعتوں کو منسوخ کر دیا ان ہی کی اطاعت اور پیروی پر اصرار کرنے والوں کو وہ اپنا وفادار اور فرمانبردار بندہ تسلیم کرتا رہے اور اپنے اس پیغمبر کی اطاعت اور اپنی اس شریعت کی پیروی سے انکار کے باوجود انہیں بغاوت کی سزا نہ دے جسے وہ اس دور کیلئے اپنا جہانی اور ابدی پیغمبر اور اپنی عالمگیر شریعت قرار دے چکا ہے، یہ عجیب بندگی اور فرمانبرداری ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی پرستش اور اطاعت کیلئے خالد کو اپنا ھادی بنانے کا حکم دے مگر آپ کہیں نہیں ہم تو اس غرض کیلئے وحید کا دامن پکڑے رہیں گے، اس کی یہ روش کسی طرح حق بجانب قرار نہیں دی جا سکتی ہے۔ بہرحال اس موضوع پر جہاں تک قرآن کے فیصلے کا تعلق ہے وہ بالکل دوٹوک انداز میں وحدت ادیان کے نظریہ کو باطل قرار دے کر نبوت محمدیہ ﷺ کی پیروی کو سارے انسانوں کیلئے ضروری اور شرطِ نجات قرار دیتا ہے اس سے مستثنیٰ صرف وہ شخص ہو سکتا ہے جسے آپ ﷺ کا پیغام ہی نہ پہنچا ہو یہ بات خود رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے بھی ثابت ہوتی ہے:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ

يُؤْمِنْ بِالَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۔ ''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی شخص تک مثلاً یہودی یا نصرانی تک میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ دوزخی ہوگا۔'' [مشکوۃ بحوالہ مسلم ج:اص:۱۲]

پھر نظریہ وحدت ادیان کے قائلین کا یہ کہنا کہ تمام مذاہب سچے ہیں اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے اسلام کی حیثیت بھی وہی ہے جو سابقہ تمام مذاہب کی ہے یہاں کچھ دیر کیلئے ٹھہر کر ایک دفعہ ہم وسیع پیمانے پر مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ حقیقت اور زیادہ کھل کر سامنے آجائے جب ہم گہری نظر سے مذاہب عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے سامنے دو بڑے مذاہب آتے ہیں سامی مذہب اور غیر سامی مذاہب، پھر غیر سامی مذاہب کو مزید آگے دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: آریائی مذاہب اور غیر آریائی مذاہب۔

(ا) سامی مذاہب

سامی مذاہب وہ مذاہب ہیں جن کا ظہور سامیوں میں ہوا بقول بائیبل کے حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا، دیکھئے (پیدائش باب ۶ آیت ۹، ۱۰، ۱۱) نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: نوح علیہ السلام مردِ راستباز اور اپنے زمانہ کے لوگوں میں بے عیب تھا اور نوح علیہ السلام خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور اس سے تین بیٹے: سم، حام اور یافث پیدا ہوئے۔ اور دیکھئے ابن کثیر ج ۲ ص ۴۷۹: سام، حام، یافث۔ تو سام کی نسلیں سامی کہلائیں سامی مذاہب سب کے سب پیغمبری مذاہب ہیں اور ان مذاہب کے ماننے والے ان آسمانی ہدایات پر اعتقاد رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ اپنے انبیاء علیہم السلام کے زمین پر اتاریں۔ اسلام، یہودیت اور مسیحیت اہم اور بڑے سامی مذاہب ہیں۔

(۲) غیر سامی مذاہب

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ غیر سامی مذاہب کو مزید دو ذیلی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو آریائی اور غیر آریائی مذاہب ہیں۔

[آریائی مذاہب]

آریائی مذاہب وہ ہیں جن کی ابتداء آریائی قوم میں ہوئی، آریائی ان اقوام کو کہا جاتا ہے جو بہت ہی طاقتور تھے ہندی اور یورپی زبانیں بولتے تھے یہ دوسرے ہزاریے کے پہلے نصف (۱۵۰۰ تا ۲۰۰۰ قبل مسیح) تک ایران سے لے کر شمالی ہندوستان تک پھیل گئے تھے۔

اب آریائی مذاہب کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) ویدک (۲) غیر ویدک ۔ ویدک مذاہب میں ہندو مت اور برہمنیت آتے ہیں جبکہ غیر ویدک مذاہب میں سکھ مت، بدھ مت اور جین ازم وغیرہ شامل ہیں یہ وہ مذاہب ہیں جن میں پیغمبروں کا کوئی تصور موجود نہیں۔

[غیر آریائی مذاہب]

غیر آریائی مذاہب کی ابتداء مختلف جگہوں پر ہوئی ہے مثلاً کنفیوشزم اور تاؤ ازم کا ظہور چین سے ہوا جبکہ شنٹو مذہب جاپان میں پروان چڑھا ایسے ہی کئی ایک غیر آریائی مذاہب ہیں جن میں اللہ کی ذات کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا دوسرے لفظوں میں ایسے مذاہب کے ماننے والوں کو کیمونسٹ اور ملحد کہتے ہیں ایسے مذاہب پر مذہب کا لفظ استعمال کرنے سے بہتر ہے کہ ان کو اخلاقیاتی تعلیمات کے نظام کہا جائے۔

یہ تھی بین الاقوامی سطح پہ مذاہب پر ایک نظر تو اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں تو اس نظریہ کا مفہوم یہ ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے یعنی تمام مذاہب کی حیثیت ایک جیسی ہے بمعہ اسلام کے، یہ ایک سوال ہے جس کا جواب ملنا بہت ہی ضروری ہے کہ آیا حقیقتاً ایسا ہی ہے کہ بمعہ اسلام کے تمام مذاہب کی حیثیت ایک جیسی ہے کہ دنیا کا کوئی شخص جس مذہب پر چاہے عمل کر کے نجات پا سکتا ہے جبکہ کہنے والے یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن نے خود دین کی جو غایت اور رسالت کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ اس نظریہ کے خلاف نہیں، قرآن خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی روانہ کیے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ.

''ہر امت میں ہم نے ایک رسول بھیجا اور اس رسول کی دعوت یہ تھی کہ خالص اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ماسوا کو چھوڑ دو۔'' [النحل:۳۶]

وہ مانتا ہے کہ سارے انبیاء اور ان کے لائے ہوئے دین اللہ ہی کے تھے وہ یہاں تک کہتا ہے کہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے سارے دین اسلام ہی کے داعی تھے لہذا جس کسی نبی کی بھی پیروی کر لی جائے وہ اللہ ہی کی بندگی ہوگی۔ یہاں ایک بات نہایت ہی قابل فہم ہے اور وہ یہ کہ دین کسے کہتے ہیں اور مذہب کیا چیز ہے یہاں ہم تفصیل میں جانے کی بجائے اختصار سے ان دونوں لفظوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

☆ **الدِین** :۔اس لفظ کے وسیع معنوں میں سے ایک معنیٰ اس کا یہ ہے کہ دین عقائد کو کہتے ہیں اور عقیدہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک تھا اور وہ تھا **لا الہ الا للہ**، اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ٥ ”آپ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا جس کی طرف یہ وحی نہ کی ہو کہ میرے سوا کوئی الٰہ نہیں لہٰذا صرف میری عبادت کرو۔“ [الانبیاء:۲۶]

یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف یہ وحی کی جاتی رہی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو پتہ چلا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ایک ہی تھا مگر مذاہب یعنی عبادت کا طریقہ سلیقہ اور ڈھنگ یہ علیحدہ علیحدہ تھے، مزید آیات کی طرف توجہ فرمائیں۔

(۱) وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.

”اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔“ [هود:۵۰]

(۲) وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.

”اور ثمود کی طرف ہم نے ان سے بھائی صالح کو بھیجا، اس نے کہا: اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔“ [هود:۶۱]

(۳) وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ.

”اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا، انہوں نے کہا: اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔“ [هود۸۴]

(۴) اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ٥

”کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب پر موت کا وقت آیا اس وقت انہوں

نے اپنے بیٹوں سے پوچھا: میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا: ہم اسی ایک الٰہ کی بندگی کریں گے جو آپ کا اور آپ کے آباؤ اجداد ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق (علیہم السلام) کا الٰہ ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار رہیں گے۔" [البقرۃ:۱۳۳]

(۵) اِنَّهُمۡ كَانُوۡۤا اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ۝ وَيَقُوۡلُوۡنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوۡۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجۡنُوۡنٍ ۝ [الصّٰفّٰت:۳۵،۳۶]

"انہیں جب یہ کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں تو وہ تکبر کرتے تھے، اور کہتے تھے کیا ہم ایک مجنون شاعر کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔"

(۶) اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ عُجَابٌ ۝ "اس (محمد ﷺ) نے تو سب معبودوں کو ایک ہی الٰہ بناڈالا یہ کیسی عجیب بات ہے۔" [صٓ:۵]

(۷) شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰٓى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ اَللّٰهُ يَجۡتَبِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡۤ اِلَيۡهِ مَنۡ يُّنِيۡبُ ۝ "اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا اور جو ہم نے آپ ﷺ کی طرف وحی کیا اور جس کا ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ "دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا" آپ ﷺ ان مشرکوں کو جس بات کی دعوت دیتے ہیں وہی ان پر گراں گزرتی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنے لئے چن لیتا ہے اور اپنی طرف اسی کو راہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرے۔" [الشوریٰ:۱۳]

(۸) اِنَّ الدِّيۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ .

"اللہ کے ہاں دین صرف اسلام ہے۔" [آل عمران:۱۹]

(۹) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

''اور جو اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھائے گا۔'' [ال عمران:۸۵]

تشریح:۔ ان آیات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک تھا اور وہ اپنی اولاد کو یہی بات سکھا کر گئے کہ وہ اللہ کے مطیع (مسلم) بن کر رہیں لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد رفتہ رفتہ انسان اس صحیح طریق زندگی (دین) سے منحرف ہو کر مختلف قسم کے غلط رویوں کی طرف چل پڑے۔ انہوں نے غفلت سے اسے گم بھی کیا اور شرارت سے اس کو مسخ بھی کر ڈالا۔ انہوں نے اللہ کے ساتھ زمین و آسمان کی مختلف انسانی اور غیر انسانی، خیالی اور مادی ہستیوں کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرا لیا اور اللہ ﷻ کے دیئے ہوئے علم حقیقی میں طرح طرح کے اوہام اور نظریوں اور فلسفوں کی آمیزش کر کے بے شمار مذاہب پیدا کر لئے انہوں نے اللہ کے مقرر کیئے ہوئے عادلانہ اصول اخلاق و تمدن (شریعت) کو چھوڑ کر یا بگاڑ کر اپنی خواہشات نفس اور اپنے تعصّبات کے مطابق ایسے ایسے قوانین زندگی گھڑ لئے جن سے اللہ کی زمین ظلم سے بھر گئی۔

اس مختصر سی گفتگو سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ دین عقائد کو کہتے ہیں اور مذہب عمل کو، یعنی عقیدہ تو تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک تھا لیکن شریعت مختلف ہوتی تھی۔ اب رہا اس نظریہ کے قائلین کا یہ دعویٰ کے تمام مذاہب سچے ہیں اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے جو حیثیت اسلام کی ہے وہی سابقہ تمام مذاہب کی ہے چونکہ اس مسئلے کا تعلق مسئلۂ رسالت سے ہے تو سب سے پہلے ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ کیا رسالت محمدی ﷺ کی حیثیت

بھی وہی ہے جو سابقہ تمام رسالتوں اور نبوتوں کی ہے تو قرآن کا فیصلہ صاف نفی میں ہے قرآن کہتا ہے کہ سابقہ تمام نبوتیں منسوخ ہو چکی ہیں جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ○

"اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ اگر میں تمہیں کتاب وحکمت عطا کروں پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تمہیں لازماً ایمان لانا ہوگا اور اس کی نصرت کرنا ہوگی، اللہ نے پوچھا: کیا تم اقرار کرتے ہو؟ اور میرے اس عہد کی ذمہ داری قبول کرتے ہو؟ نبیوں نے کہا "ہم اقرار کرتے ہیں" فرمایا: گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔" [آل عمران:۸۱]

تشریح:۔ عالمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی بابت تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ اگر ان کے دور میں وہ آجائے (میرا آخری پیغمبر) تو تمہیں اپنی نبوت ختم کر کے ان پر ایمان لانا ہوگا جب سابقہ تمام انبیاء علیہم السلام اپنے دورۂ نبوت میں نبی کریم ﷺ کے تشریف لانے سے اپنی نبوت ورسالت کا سکہ نہیں چلا سکتے لیکن اب تو صورتحال ہی تبدیل ہو چکی ہے کہ نبوت ورسالت کا وہ سلسلہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اس کا اختتام جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ہوا ہے لہذا اب قیامت تک نہ تو کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی شریعت اور قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت دوسری نبوتوں کے مقابلے میں کئی خاص امتیازات کی حامل ہے مثلاً:۔

(۱) آپ ﷺ کی نبوت عالمگیر ہے۔

(۲) جیسے عالمگیر ہے ایسے ہی عالمگیر ہمیشہ کیلئے ہے۔ آپ ﷺ کے ساتھ وحی و رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب قیامت تک کوئی نبی نہ آئے گا۔

(۳) آپ ﷺ جو دین و شریعت لے کر آئے ہیں وہ ہر پہلو سے کامل و مکمل ہے جبکہ تمام پچھلے دینوں اور شریعتوں میں سے کسی کی یہ شان نہ تھی۔

(۴) آپ ﷺ پر جو کتاب اتری ہے وہ جوں کی توں محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گی اس میں ایک لفظ تو کیا ایک نقطہ کی بھی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔

یہ ہے دوسری رسالتوں کے مقابلے میں رسالت محمدی ﷺ کی امتیازی خصوصیات اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ اس نبوت کا بھی مقام و مرتبہ ہر پہلو سے وہی ہے جو دوسری نبوتوں کا ہے؟ تو اس سوال کے جواب میں قرآن کا فیصلہ صاف نفی میں ہے کیونکہ دوسری تمام نبوتیں منسوخ ہو چکی ہیں۔ اب اللہ کے نزدیک محبوب ترین، کامل ترین اور مؤثر ترین نبوت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے، لازمی ہے کہ اس پر ایمان لایا جائے، ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانے کا انسان اب اسی کی پیروی کرے، اب قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے آخرت میں کامیابی کا ایک ہی معیار ہے اور وہ معیار، ضابطہ اور کسوٹی ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

”اے پیغمبر ان لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم واقعی اللہ سے محبت کرتے ہو تو تمہیں چاہئے کہ میری پیروی کرو، اگر تم نے ایسا کیا تو اللہ تم سے محبت کرے گا، تمہاری خطائیں بخش دے گا اور وہ بڑا ہی بخشنے والا رحیم ہے۔“ [ال عمران:۳۱]

تشریح:۔ تفسیر جامع البیان میں اس آیت کریمہ کا شان نزول کچھ اس طرح ہے کہ مشرک لوگ بتوں اور جنوں کو پوجتے تھے اور دعویٰ ان کا یہ تھا کہ یہ کام ہم لوگ اللہ کی محبت میں کرتے ہیں کہ اللہ ان کاموں سے راضی ہو جائے گا اور ہم سے محبت کرے گا۔ اور یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم لوگ پیغمبروں کی اولاد ہیں لہذا اللہ تعالیٰ ہم سے محبت کرتا ہے اور اہل مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ہم لوگ بیت اللہ کے خادم اور مجاور ہیں حاجیوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں ہم پر اللہ تعالیٰ کی محبت اور مہربانی ضرور ہوگی۔

تو ان سب باتوں کا رّد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور ان تمام محبتوں کو باطل قرار دے کر محبت کرنے کا اصول بتایا کہ اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہے تو ضروری ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھ لے سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا اور جو شخص بھی جس قدر حبیب خدا جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی راہ پر چلے گا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی نبوت کو مشعل راہ بنائے گا اسے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ وہ اللہ کی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے اور جتنا وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہوگا اتنا ہی وہ نبی کریم ﷺ کی اتباع میں مضبوط ہوگا جس کا پھل اسے یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرے گا۔ اللہ کی محبت اور نبی کریم ﷺ کی اتباع کی برکت سے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہوں گی اور دوسری بات یہ کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ محبت کرنے کی چار شرطیں بتائی ہیں:

(۱) محبت الٰہی کیلئے نبوت محمدیہ ﷺ کی پیروی کو بطور شرط پیش کیا گیا ہے۔

(۲) اتباع کو غیر مشروط اور بے قید رکھا گیا ہے۔

(۳) اتباع کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے سابقہ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔

(۴) اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا تعارف محبّ اور محبوب دونوں حیثیتوں سے پیش کیا گیا ہے یعنی وہ محبت خود بھی کرتا ہے اور اس سے محبت کی بھی جاتی ہے۔

اس آیت کریمہ میں اصل ارشاد [فَاتَّبِعُونِي] ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ''میری اتباع کرو'' اور قرآن نے اتباع کیلئے کوئی قید نہیں لگائی یعنی یہ نہیں کہ اتباع صرف اعمال میں، اخلاق میں، آداب میں، احوال میں، افکار ونظریات میں یا زندگی کے کسی شعبہ میں اس میں اشارہ یہ ہے کہ قرآن کا مطالبہ بے قید اتباع کا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو دین لے کر آئے ہیں وہ بندے اور اللہ کے درمیان کوئی پرائیویٹ معاملہ نہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ ﷺ کی تعلیمات لازماً انفرادی زندگی کے مسائل تک محدود ہوتیں مگر قرآن کا صفحہ صفحہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ نبوت محمدی ﷺ زندگی کے انفرادی دائروں تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ بازاروں، کاروباری اداروں، معاشی میدانوں، سیاست اور حکومت کے ایوانوں تک غرض یہ کہ ہر شعبہ میں رہنمائی دیتی ہے اور یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبوت محمدی ﷺ نے انسانی زندگی کے انفرادی اور اجتماعی شعبوں کے متعلق احکام دیئے ہیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے ایسا کامل ترین، مؤثر ترین اور محبوب ترین نظام پیش کیا ہے جو انسانی زندگی کے اعتقادی، فکری، اخلاقی اور عملی تمام پہلوؤں کو پوری طرح گھیرے ہوئے ہے اس میں روحانی نظام، اخلاقی نظام، معاشرتی نظام، معاشی نظام، سیاسی نظام اور قانونی نظام سب موجود ہیں اور قرآن نے ان میں بلا قید اور غیر مشروط اتباع کا مطالبہ کیا ہے۔

آخر میں اتباع کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ [يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ] ''اللہ تم سے محبت کریگا'' اب اس کے آگے اور کوئی درجۂ کمال نہیں ہے یہ وہ مقام رفیع اور درجۂ کمال ہے کہ اب اس

کے اوپر کسی اور کمال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے قرآن کہتا ہے کہ جب محبت دونوں جانب سے رونما ہوتی ہے تو ایسے محبوبوں میں چار قسم کے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں:۔

(۱) اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ "اہل ایمان کے مقابلے میں نہایت نرم ہوں گے"

(۲) اَعِزَّةٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ "کافروں کے مقابلے میں نہایت سخت"

(۳) یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ "اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے"

(۴) وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ "اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں گے" [المائدۃ:۵۴]

اس گفتگو کے بعد حقیقت آپ پر کھل گئی ہو گی کہ کیا اس نبوت کا مقام و مرتبہ بھی وہی ہے جو دوسری تمام نبوتوں و رسالتوں کا ہے؟ فیصلہ آپ کے سامنے ہے ہم تمام انبیاء علیہم السلام کا احترام کرتے ہیں اور ان کے پیغمبر ہونے کا یقین رکھتے ہیں لیکن دوام، بقاو ختم نبوت اور آخری کامل سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد ﷺ کو جو خاص شرف و امتیاز حاصل ہے دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اس لئے مرحمت نہیں ہوا کہ ان کو دائمی اور آخری پیغمبر نہیں بنایا گیا ان کی زندگیوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک مقررہ وقت تک نمونہ دینا تھا۔

اگر تاریخ انبیاء پر نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا کچھ حال نہ جانا۔حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ھود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت یحیٰی علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات اور

سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہرحال گم ہیں۔ اب ان مقدس زندگیوں کے ادھورے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان بن سکتے ہیں؟

قرآن عزیز کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر ہی کر لیں تو ان کے اندر ان بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں اس لئے کسی زندگی کا انسانوں کیلئے کامل و مکمل نمونہ ہونے کیلئے جو بنیادی اور اہم شرطیں ہیں وہ سب میرے آقا و مرشد جناب محمد ﷺ میں موجود ہیں یعنی تاریخیت، جامعیت، کاملیت اور عملیت۔

اسلام اور دیگر ادیان کا تقابل

اسلام کی عظمت کیلئے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ اسلام کو بطور دین اللہ نے پسند کیا ہے قرآن حکیم کا یہ جملہ کہ [وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا] اسلام کی عظمت کیلئے ایسے ہی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر فضیلت حاصل ہے یہاں یہ گمان کرنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں اسلام سے مراد عام مفہوم کا اسلام ہے نہ کہ مخصوص اصطلاحی اسلام، اس لئے اس سے مراد ہر آسمانی مذہب کی پیروی ہو سکتی ہے۔ اس گمان کی یہاں اس لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ الاسلام استعمال کیا گیا ہے نہ کہ مطلق اسلام اور جیسا کہ عربی زبان کے اصول کا تقاضا ہے کہ قرآن جب "الاسلام" بولتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے اسلام کا محض لغوی یا عام مفہوم نہیں ہوتا بلکہ اصطلاحی مفہوم ہی ہوتا ہے لیکن اگر اس بات سے اتفاق نہ کیا جائے پھر بھی اوپر کے استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا حقیقت پھر بھی وہی رہے گی جو بیان کی گئی کیونکہ اس صورت

میں آیت کا مفہوم یہی ہوگا کہ اللہ کے نزدیک صحیح مقبول طریق بندگی یہ ہے کہ اس کی کامل اطاعت کی جائے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالہ کر دیا جائے۔

غور فرمایئے کیا اس مفہوم و معنی کا حاصل اور عملی نتیجہ کچھ اور ہوگا؟ یقیناً نہیں کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے عالمی پیغمبر کی حیثیت سے آجانے کے بعد اللہ کی کامل اطاعت کی اور اپنے آپ کو پوری طرح حوالہ کر دینے کی کوئی صورت اس کے سوا باقی نہیں رہ جاتی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور آپ ﷺ ہی کی پیروی کی جائے کیونکہ قرآن صراحت کے ساتھ یہ اعلان کر چکا ہے کہ یہ رسالت ساری دنیا کیلئے ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے اب اگر کوئی شخص اس رسالت پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کو سچا رسول ماننے کے باوجود آپ ﷺ ہی کی پیروی کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو یہ اللہ کی کامل اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی کامل اطاعت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی ٹھہرے گی اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے خود محمد رسول اللہ ﷺ کے عمل میں موجود ہے اور ایسا ثبوت موجود ہے جس کے آگے جھک پڑنے سے صرف ناانصافی اور خود پرستی ہی روک سکتی ہے اگر یہ بات قرآن کے نزدیک صحیح ہوتی کہ سارے مذاہب سچے ہیں اور ہر رسول کی پیروی یکساں طور پر حق ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ محمد رسول اللہ ﷺ یہود و نصاریٰ کو اسلام لانے کی دعوت نہ دیتے کیونکہ وہ خود صاحب کتاب تھے اگر دعوت دیتے بھی تو کم از کم اسلام لانے کے مطالبے پر اصرار تو کسی طرح نہ کرتے۔ اس کے برخلاف آپ ﷺ ان سے صرف یہ کہتے کہ تورات اور انجیل کی مخلصانہ پیروی کرو، میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنی نبوت کے تسلیم کرنے اور قرآن کی پیروی کا تم سے کوئی مطالبہ نہیں رکھتا لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ آپ ﷺ نے انہیں بھی اسی طرح اسلام کی دعوت دی جس طرح عرب کے مشرکوں کو دی تھی اور ان

کیلئے بھی اپنی پیروی کو ویسا ہی ضروری قرار دیا جیسا کہ ان کیلئے ضروری قرار دیا تھا اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُم.

''اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی ایمان لاؤ اس کتاب پر جسے ہم نے اتارا ہے۔'' [النسآء:۴۷]

نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں صاف لفظوں میں کفر کا مرتکب اور دوزخی فرمایا حتّٰی کہ بعض مقامات پر تو ان کے اس انکار اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ بدترین کفر اور انہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ پکا کافر کہا ہے جیسا کہ چھٹے پارہ کے آغاز میں [اَلْكَافِرُوْنَ حَقًّا] کہا ہے ان کے جن طرز عمل کی بنیاد پر کہا گیا وہ صرف یہ تھا کہ وہ جہاں دوسرے انبیاء علیہم السلام کو اللہ کے رسول مانتے تھے وہاں محمد رسول اللہ ﷺ کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوتے تھے حالانکہ جس طرح اللہ کے رسول وہ تھے اسی طرح آپ ﷺ بھی تھے پھر یہی چیز ہے جسے ایمان و کفر کے درمیان راہ نکالنا کہا گیا ہے کیونکہ دوسرے انبیاء کو مان کر اگر وہ ایمان باللہ کے تقاضے پورے کرر ہے تھے تو رسالت محمدی ﷺ کا انکار کر کے اللہ کی معبودیت اور حاکمیت کو وہ ٹھکرا بھی رہے تھے پھر یہی وہ رویہ تھا جس کو اللہ کا اور اس کے رسولوں کا کفر کرنا کہا گیا ہے کیونکہ اللہ کے کسی رسول کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا دراصل نہ اللہ کو ماننا ہے نہ کسی رسول کو ماننا ہے بلکہ محض اپنی خواہشِ نفس کو ماننا ہے۔

جس نبی کی حیثیت یہ ہو کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام اگر اس زمانے میں موجود ہوتے تو وہ بھی اسی کے اُمتی اور پیروکار بنتے اور ان کی لائی ہوئی شریعتوں کی پیروی کی

گنجائش خود ان کیلئے باقی نہ رہتی اس کی پیروی کی ذمہ داری اور ضرورت سے بھلا کوئی عام انسان کیسے مستثنٰی رہ سکتا ہے اور اس کے لائے ہوئے دین کی موجودگی میں کوئی اور دین اس کے لئے کس طرح قابل اتباع ہو سکتا ہے۔ بہرحال اس آیت کریمہ میں [وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا] اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نجات اسلام ہی پر موقوف ہے کیونکہ جب ہر شخص کیلئے اسلام کی پیروی ضروری ہے اور اب کوئی دین اللہ کے حضور پسندیدہ اور قابل قبول نہیں ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ اسلام ہی شرط نجات ہے یہ واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جن شریعتوں کو اب منسوخ اور نا قابل قبول ٹھہرا چکا ہے اس کی پیروی پر وہ اجر کیسے دے گا اور پھر [وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ] فرمانے کے بعد وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کرتا ہے کہ [وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝] ایسا شخص آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا اللہ تعالیٰ کے اسی فیصلہ کی تشریح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ ﷺ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِیٌّ وَّلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ يَمُوْتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِهٖ اِلَّا كَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ.

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس امت میں سے جس کسی شخص تک مثلاً یہودی یا نصرانی میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ دوزخی ہوگا۔''

[مشکوۃ بحوالہ مسلم ج ا ص ۱۲]

فقہ الحدیث:۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں اگرچہ صرف یہود و نصاریٰ کے نام لئے گئے ہیں ورنہ اس میں جو بات کی گئی ہے وہ اپنی جگہ بالکل عام ہے اور ایک کلیہ اور

اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کا کوئی گروہ، کوئی قوم اور کوئی ملت ایسی نہیں ہے جس پر اس کا اطلاق نہ ہوتا ہو، یہ کوئی ایسی بات نہیں جو کھینچ تان کر نکالی جارہی ہو بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جو اس حدیث کے الفاظ [اَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ] کے صریح مفہوم سے ظاہر ہے کہ [هٰذِهِ الْاُمَّةِ] اس اُمت سے مراد اُمت اجابت نہیں بلکہ اُمت دعوت ہے یعنی وہ پورا گروہِ انسانی جس کی طرف آپ ﷺ نبی بنا کر روانہ کئے گئے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ گروہ جس کیلئے آپ ﷺ نبی بن کر آئے پوری نوع انسانی پر مشتمل ہے، اس لئے یہ حدیث اس حقیقت پر کوئی پردہ نہیں رہنے دیتی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا ہر شخص کیلئے ضروری ہے اور شرطِ نجات ہے اس فیصلہ کے تحت جس طرح یہود ونصاریٰ آتے ہیں اسی طرح دوسری قومیں اور ملتیں بھی آتی ہیں۔ غرض جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کا تعلق ہے تو وہ دوٹوک انداز میں اسلام کی پیروی کو سارے انسانوں کیلئے ضروری اور شرطِ نجات قرار دیتا ہے اس سے مستثنیٰ صرف وہ ہی شخص ہو سکتا ہے جسے اس کا پیغام پہنچا ہی نہ ہو جیسا کہ [لَا يَسْمَعُ بِيْ] کی قید کا منشا ہے۔

﴿اب عالمگیر، دائمی اور ابدی نبوت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا٥

”اے انسانو! الرسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے حق لے کر آچکا ہے لہذا ایمان لے آؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا اور اگر راہِ کفر اختیار کرو گے تو یاد رکھو کہ آسمان وزمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے اور اپنے تمام کاموں میں حکمت رکھنے والا ہے۔“ [النساء:١٧٠]

تشریح :۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دنیا جہان کے تمام انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے اور لفظ رسول پر الف لام تعریف لگا کر فرمایا ہے کہ رسول تمہارے پاس آچکا ہے، اس سلسلے میں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی دونوں اہل کتاب ہیں ان کے تذکرے میں پوری انسانیت کو مخاطب بنانے کی وجہ یہ ہے کہ جب اہل کتاب ہو کر ان پر ایمان لانا واجب ہے تو جو اہل کتاب نہیں ان کو تو بدرجہ اولیٰ ایمان لانا ضروری ہے اور آنے والے اور وہ رسول کی تعبیر اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہودی اور عیسائی اپنی کتابوں کی تصریحات کی بنا پر ایک رسول کے آنے کے منتظر تھے ان سے کہا جا رہا ہے کہ جس کا تمہیں انتظار تھا وہ رسول آچکا ہے۔

قرآن اس پس منظر میں یہاں مخاطب کر کے کہہ رہا ہے کہ لوگو! وہ رسول جس کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں دی اور جس کی آمد کی خبر عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل میں دی ہے آچکا ہے اور ہمیشہ رہنے والی سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے لے کر آچکا ہے اگر آیت کریمہ کو اس پس منظر سے الگ کیا جائے تو [اَلرَّسُوْل] میں الف لام تعریف یہ بتانے کیلئے ہے کہ رسولوں میں وہ رسول کامل آچکا ہے جس کی رسالت میں عموم بھی ہے اور جو نبوت و رسالت کا خاتم ہے یعنی جس پر نبوت و رسالت کے سارے کمالات ختم ہو گئے ہیں کیونکہ قرآن کے سوا کسی اور صحیفہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ مکمل ہے اور اس کے ذریعے سے اللہ کا دین اپنے تمام اصول و فروغ کے لحاظ سے تکمیل کو پہنچ گیا ہے بلکہ گذشتہ انبیاء میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں بھی کہا کہ اس کے بعد ایک اور نبوت آئے گی جو اس کے کام کی تکمیل کرنے گی۔ اللہ سبحانہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تو بنی اسرائیل کو کہہ دے تورات میں ہے: ”میں ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا

کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔" [استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸]

اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام نے بھی کہا: "لیکن وہ فارقلیط پاکیزگی کی روح ہے جسے باپ خدا میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھائے گا اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا۔" [یوحنا باب ۱۴ آیت ۲۶]

"اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا۔" [یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۵، ۱۶]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی ایک آئندہ آنے والے کا پتہ دیا جو اس کی تکمیل کرے گا بالآخر وہ آیا اور دعویٰ کیا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کی مانند بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے آیا ہوں اور یہ دعویٰ کیا کہ میں ہی سچائی کی وہ روح ہوں جو مسیح کی اصلی بڑائی ظاہر کرنے، سچائی کی راہ بتانے اور مسیح علیہ السلام کی ادھوری بات کو مکمل کرنے کیلئے آیا ہوں۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے کسی اپنے بعد میں آنے والے پیغمبر کی پیشنگوئی نہیں کی نہ کسی نئے کلام کے نزول کی خبر دی نہ کسی نئی شریعت کا منتظر کیا کیونکہ تکمیل کے بعد کسی نئے آنے والے، کسی نئے کلام اور کسی نئی شریعت کا موقع کہاں؟ اور اسی بنا پر قرآن نے ہر جگہ [ما انزل من قبلک] پر ایمان لانے کی تاکید کی لیکن [وما انزل من بعدک] کے قبول کرنے کا اشارہ تک نہیں کیا، دوسری رسالتوں کے مقابلے میں رسالت محمدی ﷺ کی اس امتیازی حیثیت کو نگاہ میں رکھئے اور پھر اس بات پر غور کیجئے کہ اس حیثیت کے لازمی تقاضے کیا ہو سکتے ہیں؟ یہی نا کہ دنیا کی ہدایت اور آخرت کی نجات آپ ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے پر موقوف ہے۔

آپ ﷺ پر ایمان ہی دنیا اور آخرت میں ہر قسم کی خیر کا ذریعہ ہے لیکن اس کے برعکس اگر کوئی نہیں مانتا تو اللہ کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے وہ کافروں کو کفر کی سزا ضرور دے گا اور قرآن کا یہ عالمگیر پیغام دنیا جہاں کے انسانوں کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ:۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ ''آپ ﷺ کہہ دیجئے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔'' [الاعراف:۱۵۸]

یہاں بنیادی طور پر رسول اللہ ﷺ کی رسالت عامہ کو ماننے کی انسانی دنیا کو دعوت دی گئی ہے [اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا] میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ عالمگیر پیغمبر بنا کر مبعوث کئے گئے ہیں اس لئے ہدایت کا صحیح راستہ اور آخرت میں نجات کا ذریعہ اب صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں محدود ہے۔ اسی میں وہ دین ازلی ہے جو ہر مذہب کا جوہر تھا اور جو اس کے پیروؤں کی تحریف و تصرف سے برباد ہو گیا تھا۔ اُسی کو دعوت محمدی ﷺ لے کر آئی ہے اب وہ ہمیشہ محفوظ رہے گا کیونکہ اس کا نبی عمومِ رسالت کا حامل اور خاتم النبیین ہے اس کا دین کامل اور اس کا صحیفہ تمام صحفِ الٰہی پر مہیمن اور حاوی ہے اور قیامت تک خدا کی طرف سے اس کی پوری حفاظت اور بقاء کا وعدہ کیا گیا ہے یہ چاروں دعوے یعنی تکمیل دین، قرآن کا مہیمن ہونا، قیامت تک اس کا محفوظ و باقی رہنا اور ختم نبوت [يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا] کے منطوق، مدلول اور مفہوم میں موجود ہے۔ جب یہ فرمایا کہ میں سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو دین اب تک مختلف وقتوں اور مختلف قوموں میں مختلف پیغمبر لاتے رہے ہیں وہ اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمام شریعتوں پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ تمام نبوتیں کسی ایک کمال کی جانب متحرک ہیں ہر پچھلی شریعت پہلی سے نسبتاً ارتقائی نظر آتی ہے اس لئے اس طبعی اصول کے مطابق ضروری ہے کہ یہ حرکت بھی کسی نقطہ پر جا کر ختم ہو

جس کو اس کا کمال کہا جائے لیکن جب خود نبوت ہماری سرحدِ ادراک سے باہر ہے تو اس کے آخری نقطۂ کمال کا ادراک بدرجہ اولیٰ ہماری پرواز سے باہر ہونا چاہئے اس لئے ضروری ہوا کہ اللہ سبحانہ خود ہی اس کی ذمہ داری لے اور بتائے کہ نبوت کا ارتقاء جہاں درجۂ کمال کو پہنچا ہے وہ مرکزی اور کامل ہستی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔قرآن سے ثابت ہے کہ نبوت اپنے ارتقائی کمال کو پہنچ چکی ہے[اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ]یعنی تمہارا دین کمال کو پہنچ چکا ہے اب ناقص نہ ہوگا، اللہ کی نعمت پوری ہو چکی اب اس میں اضافہ نہ ہوگا۔اسی بنا پر قرآن نے نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین بتایا ہے یعنی نبوت کے سلسلے کو بند کرنے والے ہیں ،قرآن نے اپنے صحیفہ میں کسی آیت میں کسی بعد میں آنے والے پیغمبر کیلئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی بلکہ [اِلَى النَّاسِ جَمِيْعًا] کہہ کر بتادیا کہ صرف وہی پیغام ربانی جو محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے دنیا میں آیا اللہ کا آخری اور دائمی پیغام ہے اور اسی لئے[وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْن] کے وعدے اللہ سبحانہٗ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود لے لی ہے۔[اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا] سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تمام دنیا کا مالک اور پروردگار ہے اسی طرح اس کا رسول تمام دنیا کا رسول ہے، تمام دنیا کیلئے رحمت ہے اور اسکا پیغام بھی تمام دنیا کیلئے پیغام ہے، جہاں تک اللہ رب العزت کی سلطنت ہے وہاں تک آپ ﷺ کی پیغامبری کی وسعت ہے[لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ] سارے نبیوں میں صرف نبی کریم ﷺ نے اپنے دائمی، آخری اور کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’مجھ سے پہلے تمام انبیاء صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے اور میں تمام قوموں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔‘‘

الغرض کہنا یہ ہے کہ رسالت محمدی ﷺ اسی طرح کامل، دائمی اور عالمگیر ہے جس طرح اللہ سبحانہٗ کی فرمانروائی اور حکومت کامل، دائمی اور عالمگیر ہے۔

تورات وانجیل میں آپ ﷺ کی بشارتیں

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ ''جوالرسول کی پیروی کریں گے کہ نبی اُمی ہوگا اوراس کے ظہور کی خبراپنے یہاں تورات اورانجیل میں لکھی پائیں گے وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا اور برائی سے روکے گا۔'' [الاعراف:۱۵۷]

تشریح:۔قرآن نے اس آیت کریمہ کے اتنے حصہ میں جو نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔ الرسول ، النبی ''وہ نبی''،الامی،آپ ﷺ کی بشارتیں سابقہ کتب میں،امر بالمعروف ونهی عن المنكر ،اب اسی ترتیب کے ساتھ ہم ان اوصاف پر روشنی ڈالیں گے۔

(۱) **الرَّسُول**:۔ یہاں قرآن نے خاص طور پر نبی کریم ﷺ کا چہرہ پیش کرتے ہوئے الرَّسُول بعد النبی کیوں کہا، یہ بات عام شارحین قرآن کی نظروں سے اوجھل ہو کر رہ گئی اور وہ دور دراز وادیوں میں نکل گئے۔قاضی بیضاوی فرماتے ہیں:۔آپ ﷺ کو رسول اس لئے کہا کہ آپ ﷺ اللہ کے احکام لے کرآئے اور نبی اس لئے کہا کہ آپ یہ پیغام بندوں تک پہنچاتے ہیں۔اسی طرح دوسرے شارحین رسول اور نبی کے بارے میں لغوی اور کلامی بحثوں میں چلے گئےلیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں الرسول کے تعارف میں النبی صرف اس لئے کہا گیا ہے کہ اہل کتاب النبی کے عنوان سے آنے والے پیغمبر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے متعارف تھے اوراس کے منتظر تھے اس موضوع پر مزید معلومات کیلئے آئندہ صفحات کا بغور مطالعہ کریں۔

(۲) **النَّبِی** [وہ نبی]:۔اس موضوع پر کلام کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں

کہ نبی شناسی کا پہلے پیمانہ بتایا جائے یعنی کوئی ایسی کسوٹی جس سے کسی نبی کی شناخت ہو سکے کہ واقعتاً اس شخص کے اندر نبیوں جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔

نبی شناسی کا پیمانہ

اگرچہ علم کلام میں یہی بتایا گیا ہے کہ نبی شناسی کا پیمانہ صرف معجزہ ہے لیکن یہ ان کا ذاتی خیال ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی شناسی کے ایک سے زائد پیمانے ہیں جیسا کہ حافظ ابن تیمیہؒ نے شرح العقیدہ الاصفہانیہ میں لکھا ہے صرف معجزات کو نبی شناسی کا پیمانہ کہنا درست نہیں ہے معجزات تو نبوت شناسی کیلئے ظاہری نشانیاں ہیں لیکن نبی شناسی کی کچھ باطنی نشانیاں بھی ہیں، حقیقت شناس لوگ صرف باطنی نشانیوں کے طلبگار رہوتے ہیں زمانہ نبوت میں جو لوگ اہل نظر تھے وہ زیادہ تر اہمیت اسی کو دیتے تھے۔ تجرباتی طور پر زمانہ نبوت کے یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنہوں نے کسی سبب سے علی الاعلان نبی کریم ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کی جرأت نہیں کی مگر وہ اندرونی طور پر متاثر تھے، یہودی نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آتے امتحانات لیتے مگر ان کا امتحان یہ ہوتا تھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کی آزمائش کرتے تھے، صحف انبیائے نبی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے آپ ﷺ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے جیسا کہ مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے کہ ایک بار یہودی خدمت اقدس میں آئے اور کہا کہ ہم آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا جو چاہو پوچھو لیکن یہ وعدہ کرو کہ جوابات صحیح ہونے کی صورت میں اسلام قبول کرنا ہوگا، انہوں نے کہا کہ ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پوچھو جو کچھ پوچھنا چاہتے ہو:۔

یہودی عالم:۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تورات اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کیا تھا اس کا واقعہ کیا ہے؟

نبی کریم ﷺ:۔ ایک بار سخت بیمار ہوئے انہوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھے سب سے زیادہ پسند ہے وہ چھوڑ دوں گا، ان کو کھانے میں سب سے زیادہ پسند اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹنی کا دودھ سب سے زیادہ مرغوب تھا چنانچہ صحت کے بعد انہوں نے دونوں چیزیں چھوڑ دیں۔

یہودی عالم:۔ خدایا سچ ہے۔

نبی کریم ﷺ:۔ اے اللہ گواہ رہ۔

یہودی عالم:۔ یہ بتایئے کہ کہ ایک ہی نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیونکر ہو جاتا ہے؟

نبی کریم ﷺ:۔ میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم کو پتہ ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد، ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ ہی اللہ کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہوتا ہے۔

یہودی عالم:۔ خدایا سچ ہے۔

نبی کریم ﷺ:۔ اے اللہ گواہ رہ۔

یہودی عالم:۔ تورات میں نبی امّی کی پہچان کیا بتائی گئی ہے؟

نبی کریم ﷺ:۔ میں تم کو اس اللہ کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا۔

یہودی عالم:۔ خدایا سچ ہے۔

نبی کریم ﷺ:۔ اللہ گواہ رہ۔

یہودی عالم:۔ یہ بتائیں کہ فرشتوں میں تمہارا دوست اور نگہبان کون ہے؟

نبی کریم ﷺ: میرا رفیق فرشتوں میں سے جبریل ہے۔

یہودی عالم: پھر ہم آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتے کیونکہ جبریل تو ہمارا دشمن ہے۔

....

اسی طرح بخاری شریف کی ایک طویل حدیث میں بھی نبی شناسی کا آپ کو ایک پیمانہ ملے گا۔ ہرقل (بادشاہ روم) کے دربار میں جب حضور انور ﷺ کا قاصد پہنچا تو اس (ہرقل) نے ابوسفیان کو بلوا کر نبی کریم ﷺ کے متعلق سوالات کیئے کیونکہ ہرقل ایک دانا آدمی تھا اور اہل نظر میں سے تھا وہ سوالات آپ بھی سماعت فرمائیں اور غور وفکر کریں۔

ہرقل:۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان:۔ شریف ہے۔

ہرقل:۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی دعویٰ نبوت کیا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں

ہرقل:۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں

ہرقل:۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان:۔ کمزور لوگ ہیں۔

ہرقل:۔ اس کے ماننے والے لوگ گھٹ رہے ہیں یا بڑھ رہے ہیں؟

ابوسفیان:۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

ہرقل:۔ کبھی تم لوگوں نے اس کے بارے میں جھوٹ کا تجربہ کیا ہے یا نہیں؟

ابوسفیان:۔ نہیں

ہرقل:۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان:۔ ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب ہمارے ساتھ اسکا ایک معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اس پر قائم رہتا ہے یا نہیں۔

ہرقل:۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان:۔ ہاں

ہرقل:۔ نتیجہ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

ہرقل:۔ اس کی تعلیمات کیا ہیں؟

ابوسفیان:۔ وہ کہتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی اور کو اس کا شریک نہ کرو، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلہ رحمی اختیار کرو۔

اس گفتگو کے بعد ہرقل نے کہا تم نے اس کو شریف النسب بتایا پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے دعویٰ نبوت نہیں کیا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم مانتے ہو کہ اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر جھوٹ کیوں کر باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے انبیاء کے ابتدائی پیروکار ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا یہی حال ہے، تم نے بتایا کہ اس نے کسی کو فریب نہیں دیا پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے۔" ان الفاظ پر غور فرمایئے اور امام بخاریؒ کی فقاہت کو داد دیجئے کہ نبی شناسی کا کیسا پیمانہ ہمیں بتلایا ہے اس حدیث کو نقل کر کے۔ اللہ تعالیٰ امام المحدثین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

....

اسی طرح بخاری شریف کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں اس میں بھی آپ کو نبی شناسی کا ایک پیمانہ ملے گا۔ ایک طویل حدیث میں جب نبی کریم ﷺ نے حضرت خدیجہ الکبریٰ ؓ سے جب غارِ حرا کے روحانی مشاہدات کا تذکرہ کیا تو وہ ایمان لے آئیں مگر جب آپ ﷺ نے بتقاضائے بشریت ان سے اپنی خوف جان کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ [خشیت علی نفسی] تو حضرت خدیجہ ؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم اللہ آپ کو رسوا نہ کرے گا آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، قرض داروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق کی مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے حضرت خدیجہ ؓ کے اس بیان کو اپنی صحیح میں لا کر بتا دیا کہ نبی شناسی کا ایک پیمانہ اخلاقی قدریں بھی ہیں اور حضرت خدیجہ ؓ نے اسی پیمانہ کی مدد سے آپ ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق کا فیصلہ فرمایا تھا۔

حدیث کے اس پہلو پر بھی ذرا غور فرمائیے کہ جب حضرت خدیجہ ؓ نبی کریم ﷺ کو لے کر ورقہ ابن نوفل کے پاس گئیں اور ورقہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے اور عبرانی زبان میں کتابیں لکھتے انجیل عبرانی میں لکھتے تھے تورات اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے اور ضعیف العمر ہونے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے، حضرت خدیجہ ؓ نے ان سے کہا کہ اپنے برادر زادے کی بات سنئے، ورقہ نے حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا فرمائیے کیا بات ہے نبی کریم ﷺ نے غارِ حرا کی ساری داستان سنا دی، ورقہ ابن نوفل نے سن کر کہا کہ یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا اس آخری فقرے کہ [ھذا ھو الذی نزل اللہ علی موسی] یہ تو وہی ناموس ہے جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ ان الفاظ کے ذریعے امام بخاریؒ اپنے مخاطبوں کے جملہ دماغ میں یہ بات اتارنا

چاہتے ہیں کہ معجزات ہی نبی شناسی کا پیمانہ نہیں ہے بلکہ ایک پیمانہ یہ بھی ہے جیسا کہ ہم نے اس موضوع کی ابتدائی گفتگو میں بتایا تھا کہ صرف معجزات کو نبوت شناسی کا پیمانہ کہنا درست نہیں ہے معجزات تو نبوت شناسی کیلئے ظاہری نشانیاں ہیں لیکن نبی شناسی کی کچھ باطنی نشانیاں بھی ہیں حقیقت شناس لوگ صرف باطنی نشانیوں کے طلبگار ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان میں سے کسی نے آکر آپ ﷺ سے خارق عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ خوارق نبوت کی اندرونی اور باطنی علامات نہیں ہیں آنے والے نبی کی بشارات اور صفات تورات اور انجیل میں مذکور تھیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحب خوارق ہونا اس کی صفت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ تورات میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران پر طلوع ہوگا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ اس کے ہاتھ میں آتشین شریعت ہوگی وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا اور بدکاروں کو جنگی مرد کی طرح ہلاک کردے گا وہ عبادت گزار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا۔ انجیل نے بتایا ہے کہ وہ تسلی کی روح ہوگا وہ مسیح کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی۔ اور قرآن نے [اَلَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ] کہہ کر نبوت کی ان ہی باطنی علامات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَلْاُمِّی:۔ عربی میں اُمّی ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی حالت پر لکھنے پڑھنے اور علم وفن کی باتوں سے آشنا نہ ہو، قرآن حکیم نے متعدد مواقع پر اس کا اظہار کیا ہے مثلاً جب آپ ﷺ پر پہلی وحی کا آغاز ہوا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت یوں شروع ہوئی کہ آپ ﷺ کے خواب سچے ہونے لگے، آپ ﷺ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتا، پھر آپ ﷺ کو تنہائی اچھی لگنے لگی آپ ﷺ غار حرا میں جا کر عبادت کیا کرتے اور کئی کئی راتیں وہاں رہتے گھر نہ آتے اور توشہ ساتھ لے جاتے،

پھر اپنے گھر حضرت خدیجہ ﷞ کے پاس آتے اور اتنا ہی توشہ اور لے جاتے حتیٰ کہ غارِ حرا میں آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی، آپ ﷺ کے پاس ایک فرشتہ (جبریل) آیا اور کہنے لگا "پڑھیے" تو آپ ﷺ نے فرمایا "میں ان پڑھ ہوں" آپ ﷺ کہتے تھے کہ فرشتے نے مجھے زور سے بھینچا پھر چھوڑا اور کہا "پڑھیے" میں نے کہا "میں ان پڑھ ہوں" پھر دوبارہ اس نے مجھے زور سے بھینچا پھر چھوڑا اور کہا "پڑھیے" میں نے پھر کہا "میں پڑھا لکھا نہیں ہوں" فرشتہ نے تیسری بار زور سے بھینچا پھر چھوڑا اور کہا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ○اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ○الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ○

"اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا، انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا ، انسان کو وہ سکھلا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔" [العلق:۱تا۵]

پھر اپنے گھر لوٹے اور آپ ﷺ کے کندھے اور گردن کا گوشت (ڈر کے مارے پھڑک رہا تھا) آکر حضرت خدیجہ ﷞ سے فرمایا مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو، پھر جب آپ ﷺ کا ڈر جاتا رہا تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ ﷞ سے کہا خدیجہ پتہ نہیں مجھے کیا ہوا، مجھے تو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا پھر آپ نے انہیں سارا واقعہ سنایا۔

اسی طرح قرآن حکیم کے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّا رْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ○

"اور (اے نبی) اس سے پہلے آپ نہ کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے اگر ایسی بات ہوتی تو باطل پرست شبہ میں پڑ سکتے تھے۔" [العنکبوت:۴۸]

اس آیت کریمہ سے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ظاہری تعلیم کے داغ سے پاک تھے آپ ﷺ کے اہل وطن اور رشتہ دار و برادری کے لوگ جن کے درمیان روزِ پیدائش سے لے کر سن کہولت کو پہنچنے تک آپ ﷺ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی نہ کبھی قلم ہاتھ میں لیا، یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کتب آسمانی کی تعلیمات، انبیاء سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ اور تمدن و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس اُمّی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اس کو وحی کے سوا کسی ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر لوگوں نے اسے کبھی کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کیلئے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد بھی ہو سکتی تھی کہ یہ علم وحی نہیں بلکہ اخذ و اکتساب سے حاصل کیا گیا ہے لیکن اس کی اُمّیت نے تو ایسے کسی شک کیلئے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشا تھا، یہی وجہ ہے کہ عرب کے باشندے بھی اُمّی کہلائے کیونکہ تعلیم و تربیت سے وہ آشنا نہ تھے گویا کہ جس معاشرے میں آپ ﷺ نے آنکھ کھولی تھی دنیا کی نظر میں وہ معاشرہ ہی اُمّی تھا، حضور اقدس ﷺ کو الامی فرمایا کیونکہ ظاہری تعلیم و تربیت کا آپ ﷺ پر سایہ نہیں پڑا تھا جو کچھ تھا سر چشمہ وحی کا فیضان تھا۔ قرآن نے یہاں آپ ﷺ کو الاُمّی فرما کر ایک طرف تو اپنے اعجاز کو ثابت کیا ہے اور دوسری طرف حضور اقدس ﷺ کے اس معجزے کی طرف پوری انسانی دنیا کی توجہ دلائی ہے کہ باوجود اُمّی ہونے کے کمالِ علوم سے سرفراز ہیں اور تیسری طرف چونکہ تورات کی بشارات میں نبی کریم ﷺ کے اس وصف کی طرف اشارہ ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس وصف کے ساتھ

آپ ﷺ کا چہرہ پیش کیا۔اس لحاظ سے لفظ اُمّی حضور ﷺ کے حق میں صفت مدح ہے کی دوسرے کے حق میں نہیں جیسے تکبر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے صفت مدح ہے اور دوسرے کیلئے مذموم۔

(۲) الاُمّی:۔ اُم کی طرف اسم نسبت ہے، مدرسی وکتابی تعلیم وتعلم سے ناآشنا کو اُمّی کہتے ہیں، اُمّیّین کا لفظ اسماعیلی عربوں کیلئے بطور لقب استعمال ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ مدرسی اور رسمی تعلیم وکتابت سے ناآشنا اپنی بدویانہ سادگی پر قائم تھے اور اس طرح بنی اسرائیل کے مقابلے میں ان کو اُمّیّین کہا جاتا ہے اور کچھ کی رائے میں یہ ام القریٰ کی طرف نسبت ہے یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے، پہلی رائے زیادہ وزنی ہے، لفظ اُمّی نبی کریم ﷺ کیلئے یہاں بطور مدح آیا ہے کیونکہ اُمّی ہونے کے باوجود کمال علم آپ ﷺ کا معجزہ ہے

﴿آپ ﷺ کی بشارتیں﴾

(۱) مسند احمد میں ہے کہ ایک صاحب فرماتے ہیں میں کچھ خرید وفروخت کا سامان لے کر مدینے آیا جب اپنی تجارت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا اس شخص سے بھی مل لوں میں چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کہیں جارہے ہیں میں بھی پیچھے پیچھے چلنے لگا آپ ﷺ ایک یہودی عالم کے گھر گئے اس کا نوجوان خوبصورت بیٹا نزع کی حالت میں تھا اور وہ اپنے دل کو تسکین دینے کیلئے تورات کھولے ہوئے اس کے پاس بیٹھا ہوا تلاوت کررہا تھا ، آنحضرت ﷺ نے اس سے دیافت فرمایا کہ تجھے اس کی قسم جس نے یہ تورات نازل فرمائی ہے کیا میری صفت اور میرے مبعوث ہونے کی خبر اس میں تمہارے پاس ہے یا نہیں؟ اس نے اپنے سر کے اشارے سے انکار کیا اسی وقت اس کا وہ بچہ بول اٹھا کہ اس کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی ہے ہم آپ ﷺ کی صفات اور آپ کے آنے کا

پورا حال اس تورات میں موجود پاتے ہیں اور میری تہ دل سے گواہی ہے کہ معبود برحق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور آپ اس کے سچے رسول ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس یہودی کو اپنے بھائی کے پاس سے ہٹاؤ پھر آپ ہی اس کے کفن ودفن کے والی بنے اور اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ [تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۱۸]

(۲) ابن اسحاق نے سیرت میں لکھا ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور انور ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو میرے باپ اور چچا دونوں آپ سے ملنے گئے، یاد رہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے والد اور چچا دونوں بہت بڑے یہودی علماء میں سے تھے، دونوں نے بڑی دیر تک آپ ﷺ سے گفتگو کی، جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان کی باتیں سنی ہیں وہ کہہ رہے تھے کہ: کیا واقعی یہ وہی نبی ہے جس کی خبریں ہماری کتابوں میں ہیں؟ میرے چچا نے میرے والد صاحب سے دریافت کیا، ہاں خدا کی قسم یہ والد صاحب کا جواب تھا، چچا بولے کیا تم کو اس پر یقین ہے؟ ہاں، والد صاحب نے کہا۔ چچا نے دریافت کیا کہ پھر کیا ارادہ ہے؟ والد صاحب نے کہا کہ جب تک جان میں جان ہے مخالفت کروں گا۔

(۳) ابن اسحاق، مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ آیا دوران واعظ اس نے ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی، لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا؟ اس یہودی واعظ نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے اشارہ کر کے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا۔

(۴) حضرت عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا

کہ رسول اللہ ﷺ کی جو صفتیں تورات میں ہوں وہ مجھے بتاؤ تو انہوں نے فرمایا: ہاں واللہ آپ ﷺ کی صفتیں تورات میں ہیں جو قرآن میں بھی ہیں کہ "اے نبی ﷺ ہم نے آپ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا اور ان پڑھوں کو گمراہی سے بچانے والا بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں آپ کا نام متوکل ہے، آپ بدگو اور بداخلاق نہیں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو قبض نہ کرے گا جب تک کہ آپ کی وجہ سے لوگوں کی زبان سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه کہلوا کر ٹیڑھے دین کو درست نہ کر دے، بند دلوں کو کھول دے گا، بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے گا، اندھی آنکھوں کو دیکھتی کر دے گا۔

یہ روایت بخاری میں بھی ہے حضرت عطا بن یسارؒ فرماتے ہیں پھر میں حضرت کعبؓ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا، ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ تھی، البتہ بخاری کی حدیث میں اس ذکر کے بعد کہ آپ ﷺ بداخلاق نہیں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ بازاروں میں شوروغل کرنے والے نہیں، آپ ﷺ برائی کے بدلے برائی کرنے والے نہیں بلکہ معافی اور درگذر کرنے والے ہیں۔ [ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۰]

اور جہاں تک کتب سماویہ تورات اور انجیل میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارات واشارات کا ذکر ہے تو اس سلسلے میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانویؒ نے اظہار الحق میں اور تفسیر المنار اور معالم القرآن وغیرہ میں ان بزرگوںؒ نے خوب علمی جوہر دکھائے ہیں ذیل میں ہم ان کے ہی علمی فیضان سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے قاری کی ضیافت طبع کیلئے نقل کرتے ہیں، بشارات سے پہلے چند ضروری اور اصولی باتیں جو اس کتاب کے قاری کیلئے بہت ہی ضروری ہیں۔

چند ضروری اور اصولی باتیں

پہلی بات:۔ اکثر اسرائیلی پیغمبروں نے جیسے اشعیاہ، ارمیاہ، دانیال، حزقیال عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ نے آنے والے حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی خبریں دی ہیں مثلاً بخت نصر کا حادثہ، قادس اور سکندر اور اس کے جانشینوں کے حالات، ملک ادوام و مصر و نینویٰ اور بابل کے حوادث وغیرہ، اب یہ چیز بالکل بعید اور ناممکن ہے کہ یہ لوگ ظہور مہدی کے بارے میں کسی قسم کی خبر و پیشگوئی نہ کرتے جن کا دین ظہور کے وقت چھوٹی سبز بالی کی طرح تھا، پھر وہ ترقی کرتا ہوا اتنا زبردست عظیم الشان درخت بن گیا جس کی شاخوں میں آسمانی پرندے پناہ لیتے ہیں، جس نے بڑے بڑے سلاطین اور جابر بادشاہوں کی شوکت اور سطوت خاک میں ملادی اور ان کی گردنوں میں اسلام کا طوق ڈال دیا، جس کا دین مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں غرض دنیا کے کونے کونے اور چپے چپے میں پھیل گیا اور برابر بڑھتا اور ترقی کرتا رہا اور خدا نے چاہا تو قیامت تک اسی طرح پھولتا اور پھلتا رہے گا۔ آپ ﷺ کی اُمت میں ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں علمائے ربانی، بے شمار حکماء اور اولیاء بڑے بڑے سلاطین پیدا ہوئے اور یہ واقعہ کوئی معمولی اور سرسری واقعہ نہ تھا اور یقیناً ملک ادوام اور نینویٰ کے حوادث اور واقعات سے اس کی اہمیت کم نہیں ہوسکتی پھر عقلِ سلیم کیونکر اس بات کو جائز مان سکتی ہے کہ ان پیغمبروں نے ایسے چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات کی تو خبریں اور پیشگوئیاں بیان کی ہوں اور جو حادثہ تمام حوادث سے عظیم الشان اور اہم تھا اس کی نسبت ایک حرف بھی نہ کہا ہو۔

دوسری بات :۔ بشارت کیلئے مفصل اور بالکل واضح ہونا ضروری نہیں تو دوسری بات یہ ہے کہ جانیوالا پیغمبر آنے والے پیغمبر کی نسبت جب کوئی خبر یا اطلاع دیتا ہے تو ضروری نہیں کہ پوری تفصیلات بیان کرے کہ وہ فلاں خاندان میں پیدا ہوگا ،فلاں سال ظاہر ہوگا اور اس کی صفات ایسی ایسی ہوں گی بلکہ اس قسم کی خبریں عوام کو اجمالی طور پر دی جایا کرتی ہیں البتہ خواص کو کبھی تو قرائن کی بناء پر بالکل ظاہر اور عیاں ہو جاتی ہیں اور کبھی ان کا مصداق ان پر بھی اس وقت تک مخفی رہتا ہے جب تک آنے والا پیغمبر نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا کہ جانے والے پیغمبر نے میری ہی نسبت خبر دی تھی ، پھر اس کے دعوے کی سچائی اور تصدیق معجزات اور علاماتِ نبوت کے ذریعے ثابت بھی ہو جائے ، پھر تو ان کے نزدیک بھی بلاشبہ وہ خبر ظاہر اور یقینی بن جاتی ہے، اسی وجہ سے وہ عتاب کے مستحق بنتے ہیں جس طرح کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے علماءِ یہود پر عتاب کیا تھا اور کہا تھا کہ:

"اے شرع کے عالمو! تم پر افسوس کہ تم نے معرفت کی کنجی چھین لی ،تم آپ بھی داخل نہ ہوئے اور داخل ہونے والوں کو بھی روکا۔" [لوقا باب ۱۱ آیت ۵۲]

اور عیسائی نظریئے کے مطابق تو اس قسم کی خبر کبھی کبھی انبیاء کیلئے بھی مخفی اور پوشیدہ بن جاتی ہے چہ جائیکہ علماء کیلئے بلکہ ان کے زعم کے مطابق تو کبھی خود اس نبی کو بھی جس کے متعلق خبر دی گئی تھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ میں ہی اس کا مصداق ہوں، چنانچہ انجیل یوحنا کے باب اوّل آیت :۱۹ میں یوں ہے کہ:۔

"اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اس کے پاس (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس) بھیجے کہ کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون

ہے؟ کیا تو ایلیا[۲] ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں ۔۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں، پس انہوں نے اس سے پھر کہا پھر تو ہے کون؟ تا کہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو، یہ فریسیو کی طرف سے بھیجے گئے تھے، انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاء نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟۔'' [یوحنا باب اوّل آیت ۱۹ تا ۲۶]

نوٹ:۔ عہد نامہ قدیم میں یہ مذکور ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا گیا تھا اور کتاب میکاہ میں ان کے دوبارہ آنے کی ان الفاظ میں خبر دی گئی ہے ''ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجوں گا۔'' [میکاہ: ۴، ۵]

اور الف لام جو النبی میں آیت ۲۱، ۲۵ میں واقع ہوا ہے وہ عہد کا ہے اور مراد اس سے وہ مخصوص نبی ہے جس کی خبر واطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے تھے جیسا کہ کتاب استثناء کے باب ۱۸(۳) میں علماء مسیحیین کی تصریح کے مطابق موجود ہے۔

[۳] نوٹ:۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا۔'' [استثناء باب: ۱۸]

اب یہ کاہن اور لاوی جو علماء یہود میں سے تھے اور اپنی کتابوں سے خوب واقف بھی تھے اور ان کو یحیٰی علیہ السلام کی نسبت یقینی طور پر معلوم تھا کہ وہ نبی ہیں مگر پھر بھی انہوں نے اس باب میں شک کیا کہ وہ مسیح ہیں یا ایلیاء ہیں یا وہ مخصوص نبی جس کی اطلاع موسیٰ علیہ السلام دے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ان تینوں پیغمبروں کی علامات ان کتابوں میں تصریح کے ساتھ صاف صاف مذکور نہیں تھیں جس سے کم از کم خواص کو اشتباہ پیدا نہ ہو عوام کا تو کہنا کیا اسی لئے ان لوگوں نے پہلے یحیٰی علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا آپ مسیح ہیں؟ ان کے انکار پر

پھر دریافت کیا کہ کیا آپ ایلیاء ہیں؟ جب انہوں نے ایلیاء ہونے کا بھی انکار کیا تب پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص نبی ہیں جن کی اطلاع دی گئی ہے۔ اور اگر علامات صاف طور پر لکھی ہوئی ہوتیں تو شک کرنے کی کیا گنجائش ہو سکتی۔۔۔ تھی بلکہ اس سے معلوم ہوا کہ خود یحیٰی علیہ السلام کو بھی اپنے متعلق یہ علم نہ تھا کہ میں ایلیاء ہوں چنانچہ انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ایلیاء نہیں ہوں حالانکہ ان کے ایلیاء ہونے کی شہادت خود عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے چنانچہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشاد اس طرح مذکور ہے: ''چاہو تو مانو، ایلیاء جو آنے والا تھا یہی ہے۔'' [متی باب: ۱۱ آیت: ۱۴]

اور انجیل متی میں ہے: ''شاگردوں نے اس سے پوچھا کہ پھر فقیہ کیوں کہتے ہیں کہ ایلیاء کا پہلے آنا ضرور ہے؟ اس نے جواب دیا: ایلیاء البتہ آئے گا اور سب کچھ بحال کرے گا لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آ چکا ہے اور انہوں نے اسے نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا اسی طرح ابن آدم بھی ان کے ہاتھ سے دکھ اٹھائے گا۔''

[انجیل متی باب ۱۷ آیت ۱۰ تا ۱۲]

آخری عبارت سے معلوم ہوا کہ علماء یہود نے ان کا ایلیاہ ہونا نہیں پہچانا اور جیسا چاہا ان کے ساتھ برتاؤ کیا اور حواریوں کو بھی ان کا ایلیاء ہونا معلوم نہیں ہو سکا حالانکہ یہ لوگ عیسائی نظریئے کے مطابق پیغمبر ہیں اور نہ صرف پیغمبر بلکہ رتبے میں موسیٰ علیہ السلام سے بھی بڑھ کر ہیں نیز یہ لوگ یحیٰی علیہ السلام پر اعتماد بھی کرتے تھے بارہا ان کو دیکھا بھی تھا اور ان کا آنا ان کے معبود اور مسیح سے پہلے ضروری تھا۔ اسی طرح انجیل یوحنا میں حضرت یحیٰی علیہ السلام کا ارشاد اس طرح منقول ہے: ''اور میں تو اسے پہچانتا نہ تھا مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا اسی نے مجھ سے کہا کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔'' [یوحنا باب: ۱، آیت: ۳۳]

نوٹ:۔ پادریوں کے کلام کے مطابق "میں تو اسے پہچانتا نہ تھا" والے کلام سے مراد یہ ہے کہ پورے اور ٹھیک طور پر میں نے نہیں پہچانا کہ وہ "مسیح موعود" ہے۔

بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ یحیٰ علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کے مسیح موعود ہونے کی یقینی طور پر تیس 30 سال تک پہچان نہ ہو سکی جب تک روح القدس ان پر نازل نہیں ہوئی، غالباً مسیح علیہ السلام کا کنواری لڑکی سے پیدا ہونا مسیح ہونے کی کوئی مخصوص علامت نہیں تھی ورنہ یہ بات کیونکر ممکن ہو سکتی ہے؟

مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یحیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت کے مطابق اسرائیلی پیغمبروں میں اشرف ترین پیغمبر تھے جیسا کہ انجیل متی کے باب ۱۱ میں مصرّح ہے اور عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے دعوے کے بموجب ان کے خدا اور معبود تھے اور ان کا آنا بھی مسیح کی آمد سے پہلے ضروری تھا اور ان کا ایلیاء ہونا بھی یقینی تھا پھر کیسی حیرتناک اور عجیب بات ہے یہ کہ خود یحیٰ علیہ السلام باوجود اشرف الانبیاء ہونے کے آخر عمر تک خود کو نہ پہچان سکے اور نہ تیس (۳۰) سال تک اپنے معبود کو شناخت کر سکے؟ یہی حال حواریوں کا ہے جو موسیٰ علیہ السلام سے بھی افضل شمار کیے جاتے ہیں انہوں نے بھی اور دوسرے اسرائیلی پیغمبروں نے بھی یحیٰ علیہ السلام کی تمام زندگی میں یہ نہ جانا کہ وہ ایلیاء ہیں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پھر علماء اور عوام بیچارے ان کے نزدیک آنے والے نبی کے متعلق ان خبروں سے جو جانے والا نبی دے گیا ہے کیا پہچان سکتے ہیں؟ اور ان کے تردّد کا کیا حال ہو سکتا ہے؟ کاہنوں کا رئیس یعنی کائفا یوحنا کی شہادت کے مطابق پیغمبر ہے جیسا کہ اس کی انجیل میں تصریح ہے۔ "اس سال سردار کاہن ہو کر نبوت کی کہ یسوع اس قوم کے واسطے مرے گا۔" [یوحنا باب:۱۱، آیت:۵۱]

مگر ان ہی حضرات نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فتویٰ دیا اور ان کو نبی ماننے سے انکار کیا اور توہین کی جیسا کہ اس کی تصریح انجیل متی کے باب ۲۷ میں ہے۔ اب اگر مسیح کی علامتیں ان کی کتابوں میں سے صاف طور سے موجود مذکور تھیں جن سے ذرہ برابر کسی کو اشتباہ نہ ہو سکے تو اس نبی کو جس نے مسیح کے قتل کا فتویٰ دیا اور کفر کیا کیا ایسا فتویٰ دینے اور کفر کرنے کی مجال ہو سکتی تھی؟ نیز متی اور لوقا نے اپنی انجیلوں کے باب ۳ میں اور مرقس اور یوحنا نے اپنی انجیلوں کے باب ۱ میں یحییٰ علیہ السلام کے حق میں اشعیاہ کی دی ہوئی خبر نقل کی ہے اور یہ کہ یحییٰ علیہ السلام نے اقرار کیا کہ یہ خبر میرے حق میں ہے جیسا کہ یوحنا نے تصریح کی ہے:۔

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لادی یہ پوچھنے کو اس کے پاس (یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ یہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں، انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاء ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، ۔۔۔ کہا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، بس انہوں نے اس سے پھر کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں پکارنے والوں کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو، یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے، انہوں نے اس سے سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاء نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''

[یوحنا باب اوّل آیت: ۱۹ تا ۲۶]

اور یہ خبر کتاب اشعیاء کے باب ۴۰ آیت ۳ میں یوں ہے:۔ ''پکارنے والے کی آواز بیابان میں خداوند کی راہ درست کرو صحراء میں ہمارے خدا کیلئے شاہراہ ہموار کرو۔''

مگر نہ تو اس میں یحییٰ علیہ السلام کے مخصوص حالات کا ذکر ہے نہ ان کی صفات کا بیان ہے نہ یہ کہ ان کے خروج کا زمانہ اور جگہ کونسی ہے تاکہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے اور اگر خود

یحییٰ علیہ السلام یہ دعویٰ نہ کرتے کہ یہ خبر میرے حق میں ہے اسی طرح عہد جدید کے مؤلفین یہ بات ظاہر نہ کرتے تو مسیحی علماء اور ان کے خواص کو بھی اس کا علم نہ ہوتا، غریب عوام کو تو بھلا کیونکر ہو سکتا تھا؟ کیونکہ اس قسم کی غیبی پکار اکثر اسرائیلی پیغمبروں کے حق میں جو اشعیاء علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے ہیں ثابت ہے کیونکہ یہ بات عیسیٰ علیہ السلام پر بھی صادق آتی ہے کیونکہ وہ بھی یحییٰ علیہ السلام کی طرح یہ منادی کرتے تھے کہ:۔

''لوگو توبہ کرو کیونکہ آسمانی بادشاہت نزدیک آرہی ہے؟''

اس لئے ہم ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کہ جن انبیاء علیہم السلام نے محمد ﷺ کی نسبت خبریں یا پیشگوئیاں بیان کی ہیں ان میں سے ہر ایک میں حضور ﷺ کی تفصیلی صفات مذکور ہیں کہ جس کی بنا پر مخالف کو اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

امام رازیؒ کا ارشاد:۔ امام رازیؒ باری تعالیٰ کے ارشاد: وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ کی تفسیر کے ذیل میں فرماتے ہیں کہ ''ظاہر یہی ہے کہ بالباطل میں جو با ہے وہ استعانت کے معنی میں ہے بالکل اسی طرح جیسے [کتبت بالقلم] میں اور مطلب یہ ہے کہ حق کو سامعین کے سامنے ان شہادت کی بنا پر جو ان کے سامنے پیش کرتے ہو مشتبہ مت بناؤ کیونکہ جو نصوص توریت و انجیل میں حضور ﷺ کی نسبت وارد ہوئی ہیں اپنے خفی ہونے کی وجہ سے استدلال اور دلیل کی محتاج تھیں مگر یہودی ان کے بارے میں بیجا جھگڑتے اور غور و تامل کرنے والوں کو شبہات میں ڈال کر ان نصوص کی دلالت کے طور و طریق میں تشویش پیدا کرتے تھے۔''

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا ارشاد:۔ علامہ موصوف اپنے بیضاوی کے حاشیے میں لکھتے ہیں: ''جو چیز مزید شرح کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ہر نبی

نے تعریض واشارہ والے الفاظ استعمال کیے ہیں جن کو صرف گہری نگاہ رکھنے والے علماء سمجھ سکتے ہیں ضرور اس میں کوئی نہ کوئی خدائی حکمت ہے، علماء کا ارشاد ہے کہ کوئی بھی نازل شدہ آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جو حضور ﷺ کے ذکر پر مشتمل نہ ہو مگر یہ سب کچھ اشارات کے ذریعہ سے ہے اور اگر عوام کیلئے صاف صاف اور کھلا ہوا ہوتا تو پھر ان کے علماء کو چھپانے پر عتاب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی تھی پھر ان ارشادات میں مزید خفاء اور پیچیدگی کا بڑا سبب ایک زبان سے دوسری زبان میں اس کا منتقل کرنا اور ترجمہ کرنا ہے پہلے عبرانی سے سریانی میں پھر سریانی سے عربی میں، میں نے توریت اور انجیل کے الفاظ کا جو خلاصہ اور ماحصل ذکر کیا ہے جب تم اس پر غور کرو گے تو آسانی سے اس کا حضور ﷺ کی نبوت کی صحت پر دلالت کرنا معلوم ہو سکتا ہے مگر تعریض اور اشارے کے طور پر گہری نگاہ والے علماء کیلئے تو یقینی اور ظاہر ہے مگر عوام کیلئے خفی اور غیر ظاہر۔''

تیسری بات:۔ اہل کتاب کو مسیح علیہ السلام اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کا انتظار تھا یہ دعوی کرنا کہ اہل کتاب سوائے مسیح علیہ السلام اور ایلیاہ کے اور کسی نبی کے منتظر نہیں تھے یہ ایسا باطل دعویٰ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں بلکہ اس کے برعکس وہ لوگ ان دونوں پیغمبروں کے علاوہ تیسرے نبی کے بھی منتظر تھے ابھی ابھی آپ دوسری بات میں اسکی تفصیل معلوم کر چکے ہیں، یوحنا باب اوّل آیت ۱۹ تا ۲۶ کہ جو علماء یہود مسیح علیہ السلام کے معاصر تھے انہوں نے یحیٰی علیہ السلام سے پہلے سوال کیا کہ کیا آپ مسیح ہیں؟ جب انہوں نے انکار کیا تو پھر پوچھا کہ کیا آپ ایلیاہ ہیں؟ جب انہوں نے اس کا بھی انکار کیا تو پوچھا کہ کیا آپ وہی مخصوص اور معین نبی ہیں جن کی خبر موسیٰ دے گئے ہیں؟

نوٹ:۔ عیسائی علماء تسلیم کرتے ہیں کہ یوحنا باب اول آیت ۲۱ میں جو لفظ ''وہ

نبی" استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہی نبی ہیں جن کا ذکر موسیٰ علیہ السلام نے کیا تھا چنانچہ آر۔اے ناکس اپنی تفسیر میں کہتا ہے آیت ۲۱ میں استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ کا حوالہ ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے: "میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔" [استثناء باب:۱۸ آیت:۱۸]

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مسیح علیہ السلام اور ایلیاہ علیہ السلام کی طرح اس نبی کا بھی انتظار کر رہے تھے بلکہ وہ ان کے درمیان اس قدر مشہور تھا کہ اس کے نام لینے کی بھی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ اس کی طرف اشارہ ہی کافی تھا، انجیل یوحنا کے باب ۷ آیت ۴۰ میں عیسیٰ علیہ السلام کا قول نقل کرنے کے بعد یوں کہا گیا ہے کہ: "پس بھیڑ میں سے بعض نے یہ باتیں سن کر کہا بے شک یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔"

نوٹ:۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جو نبی ان کے ذہنوں میں معہود اور معیّن تھا وہ "مسیح علیہ السلام" کے علاوہ کوئی دوسرا ہے اس لئے اس کو مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کیا۔

چوتھی بات:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاتم الانبیاء نہ تھے یہ دعویٰ کرنا بھی قطعی غلط اور باطل ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی نہ آئے گا ابھی آپ تیسری بات میں معلوم کر چکے ہیں کہ وہ لوگ نبی آخرالزمان کے منتظر رہا کرتے تھے جو مسیح اور ایلیاہ کے سوا تیسرا شخص تھا اور چونکہ دلائل سے اس نبی معہود کی آمد مسیح علیہ السلام سے قبل ثابت نہیں ہے لہذا یقیناً وہ مسیح علیہ السلام کے بعد آنے والا ہی ہوسکتا ہے پھر دوسرے عیسائی حضرات مسیح علیہ السلام کے بعد حواریوں اور پولس کی نبوت کے دعویدار ہیں بلکہ ان کے علاوہ دوسرے اشخاص کی نبوت کے بھی قائل ہیں، کتاب اعمال باب ۱۱ آیت ۲۷ میں ہے: "انہی

دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے ان میں سے ایک نے جس کا نام اگبُس تھا کھڑے ہو کر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور یہ کلودیس کے عہد میں واقع ہوا۔" [آیت: ۲۷، ۲۸]

یہ تمام لوگ بائبل کے فیصلہ کے مطابق انبیاء تھے جن میں سے ایک کا نام اگبس تھا اس نے ایک زبردست قحط کی پیشگوئی کی تھی۔ پھر اسی کتاب اعمال کے باب: ۲۱ آیت ۱۰ میں ہے: "اور جب ہم وہاں بہت روز رہے تو اگبُس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا اس نے ہمارے پاس آ کر پولس کا کمر بند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمر بند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔" [آیت: ۱۰، ۱۱]

نوٹ:۔ اس عبارت میں بھی تصریح ہے کہ اگبُس نبی تھا۔

کبھی کبھی عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ السلام کو خاتم الانبیاء ثابت کرنے کیلئے ان کے اس ارشاد سے استدلال کرتے ہیں جو انجیل متی باب ۷ آیت ۱۵ میں اس طرح منقول ہے:۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔"

نوٹ:۔ اس قول سے اپنے دعوے پر عیسائیوں کا استدلال کرنا بھی عجیب ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام نے جھوٹے پیغمبروں سے احتراز کرنے اور بچنے کا حکم دیا ہے نہ کہ سچے نبی سے بھی اسی لئے انہوں نے اپنے کلام میں جھوٹے کی قید لگائی ہے ہاں اگر یہ فرماتے کہ میرے بعد ہر ایک مدعی نبوت سے بچو تو بے شک یہ دعویٰ بظاہر درست تھا اگرچہ عیسائیوں کیلئے پھر بھی مذکورہ حضرات کی نبوت کے ثبوت کیلئے واجب التاویل ہوتا اور جھوٹے پیغمبر

مسیح علیہ السلام کے آسمان پر چلے جانے کے بعد طبقہ اولیٰ میں بے شمار پیدا ہوئے جیسا کہ عہد جدید کے موجودہ رسائل سے یہ بات واضح ہے۔ کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب ۱۱ آیت ۱۲ میں ہے: ''لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا تا کہ موقع ڈھونڈنے والوں کو موقع نہ دوں بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں اس میں ہم ہی جیسے نکلیں کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہمشکل بنا لیتے ہیں۔''

دیکھئے! عیسائیوں کا مقدس رسول ببانگ دہل اعلان کر رہا ہے کہ جھوٹے اور غدار پیغمبر خود اس کے عہد میں ظاہر ہو چکے ہیں جنہوں نے مسیح کے سچے رسولوں کا بھیس اختیار کر لیا ہے۔ آدم کلارک مشہور مفسر اس مقام کی شرح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹا دعویٰ کرتے تھے کہ ہم مسیح کے رسول ہیں حالانکہ وہ لوگ واقع میں مسیح کے رسول نہ تھے وہ لوگ واعظ و نصیحت بھی کرتے تھے اور مجاہدات بھی مگر ان کا مقصد تمام تر جلب منفعت تھا۔''

یوحنا کے پہلے خط کے باب ۴ میں ہے کہ: ''اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔''

نوٹ:۔ ان دونوں عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ حواریوں ہی کے زمانے میں بکثرت نبوت کے جھوٹے دعویدار پیدا ہو چکے تھے۔

اور کتاب اعمال کے باب ۸ آیت ۹ میں ہے کہ: ''اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص اس شہر میں جادوگری کرتا تھا اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔''

اسی کتاب کے باب ۱۳ میں ہے کہ: ''اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا۔''

[کتاب اعمال باب: ۱۳ آیت: ۶]

اسی طرح دوسرے بہت سے دجالوں اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے ظاہر ہونے کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل متی میں دی ہے: ''خبردار کوئی تم کو گمراہ نہ کردے کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔'' [متی باب: ۲۴ آیت: ۴،۵]

اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقصود ان جھوٹے پیغمبروں اور کاذب مسیحوں سے لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے نہ کہ سچے پیغمبروں سے بھی روکنا، اسی لئے باب ۷ آیت ۱۶ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: ''کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں؟۔'' [متی باب: ۷ آیت: ۱۶]

رہا حضور ﷺ کا معاملہ سو آپ ﷺ سچے پیغمبروں میں سے ہیں جیسا کہ اس دعوے پر ''آپ کے پھل'' شاہد ہیں مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے متی باب ۷ آیت ۱۶ میں جھوٹے اور سچے میں فرق بیان کیا ہے کہ جس طرح جھاڑیوں سے انگور نہیں توڑا جا سکتا اسی طرح جھوٹے نبی کو بھی وہ اوصاف حاصل نہیں ہوسکتے جو سچے نبی میں ہوتے ہیں، آنحضرت ﷺ میں جو اوصاف تھے اور جن کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں آیا ہے وہ درحقیقت شجرۂ نبوت ہی کے پھل پھول ہیں جو آپ ﷺ کے نبی ہونے پر دلالت کرتے ہیں نیز ہزاروں علماء اور حکماء جو سب پادریوں کے ہم قوم ہیں اور مسیح ہی تھے مگر انہوں نے اس مذہب کی قباحت محسوس کر کے اس کو چھوڑ دیا اور اب اس کے منکر ہیں اور اس کا بھی مذاق

اڑاتے ہیں اور اس مذہب کا بھی ان لوگوں نے اپنی رائے کے اثبات کیلئے بہت سے رسالے بھی تالیف کئے اور یہ رسالے اطراف عالم میں پھیل چکے ہیں اور یورپ کے ملکوں میں ان کے ماننے والے دن بدن بڑھتے چلے جاتے ہیں پھر جس طرح یہودیوں اور ان حکماء اور علماء کا انکار عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہمارے نزدیک غیر معتبر اور باطل ہے اسی طرح اہل تثلیث کا انکار محمد ﷺ کے حق میں ہمارے نزدیک قطعی قبول کے لائق نہیں ہوسکتا۔

پانچویں بات:۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں کو یہودی نہیں مانتے وہ پیشگوئیاں جن کو عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں نقل کرتے ہیں یہودیوں کی تفاسیر اور تاویلات کے تحت وہ مسیح پر صادق نہیں آتیں اس لئے یہودی مسیح کے منکر ہیں مگر مسیح علماء اس باب میں یہودیوں کی تفسیروں اور تاویلوں کو نظر انداز کر کے ان کی تفسیر ایسے انداز میں کرتے ہیں جس سے ان کے خیال میں ان کا مصداق قطعی طور پر عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں، صاحب میزان الحق نے باب اول فصل ۳ صفحہ ۴۶ نسخہ فارسی مطبوعہ ۱۸۴۹ء میں کہا ہے کہ:

''مذہب عیسوی کے علماء متقدمین نے یہ بالکل صحیح دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے ان آیات کو جن میں یسوع مسیح کی جانب اشارہ تھا غیر صحیح تاویلات کے ساتھ مؤول کیا اور ایسی تفسیر کی جو واقع کے خلاف ہے۔''

مؤلف مذکورہ کا یہ کہنا کہ یہ دعویٰ قطعی صحیح ہے یقینی طور پر غلط ہے اس لئے کہ قدیم علماء نے جہاں۔۔۔۔ یہ دعویٰ کیا ہے وہاں یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ یہودیوں نے کتابوں میں تحریف لفظی کی ہے مگر ہم اس سے قطع نظر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جس طرح یہودیوں کی تاویلیں مذکورہ آیات میں عیسائیوں کے نزدیک ناقابل قبول اور مردود وغیر صحیح اور غیر لائق ہیں بالکل اسی طرح عیسائیوں کی تاویلات ان پیشگوئیوں کے بارے میں جو محمد ﷺ

کے حق میں ہیں ہمارے نزدیک مردود اور باطل اور نا قابل قبول ہیں عنقریب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو پیشن گوئیاں حضور ﷺ کے حق میں ہم لوگ نقل کرتے ہیں وہ ان خبروں کی نسبت جو انجیل والے مسیح کے حق میں نقل کرتے ہیں زیادہ واضح طور پر صادق ہیں اس لئے اگر ہم عیسائیوں کی فاسد تاویلات کی جانب التفات نہ کریں تو چنداں مضائقہ نہ ہوگا اور جس طرح یہودیوں نے بعض پیشگوئیوں کی نسبت جو عیسائیوں کے خیال کے مطابق مسیح کے حق میں ہیں یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمارے مسیح منتظر کے حق میں یا کسی دوسرے کے حق میں ہیں یا کسی کے حق میں بھی نہیں ہیں اور عیسائی پھر بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ مسیح علیہ السلام کے حق میں ہیں اور یہودیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے۔ اسی طرح ہم بھی ان پیشگوئیوں کی نسبت جو محمد ﷺ کے حق میں ہیں عیسائیوں کی مخالفت کی پرواہ نہیں کرتے جو کہتے ہیں کہ ان کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام ہیں، ناظرین عنقریب مشاہدہ کرلیں گے کہ ان پیشگوئیوں کا حضور ﷺ پر صادق آنا بنسبت مسیح کے حق میں صادق آنے کے زیادہ لائق اور درست ہے اس لئے ہم اس دعوے کے زیادہ مستحق ہیں نہ کہ عیسائی۔'' [اظہار الحق]

تورات اورانجیل میں حضور ﷺ کی بشارتیں

بشارت نمبرا:۔از۔تورات سفر استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ تا ۲۱

''اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا اچھا کہا میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں تجھ سا نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے فرماؤں گا وہ سب ان سے کہے گا۔اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا۔لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی۔''

تشریح:۔اہل اسلام یہ کہتے ہیں کہ یہ بشارت خاص سرور عالم سیدنا محمد ﷺ کیلئے ہے اور یہود کا یہ خیال ہے کہ یہ بشارت یوشع علیہ السلام کیلئے ہے اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیلئے، لیکن حق یہ ہے کہ اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین ﷺ کے کوئی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ بشارت اس نبی کے ظہور کی ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے مماثل یعنی مانند ہو اور بنی اسرائیل میں سے نہ ہو بلکہ بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہو اور پھر اس بشارت میں اس آنے والے نبی کی صفات کا ذکر ہے اس لئے اہل اسلام کہتے ہیں کہ یہ خاص آنحضرت ﷺ کی بشارت ہے بچند وجوہ:۔

اوّل:۔یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ میں ان کے یعنی بنی اسرائیل کے

بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ یہ خطابات ایک دو شخص کے ساتھ مخصوص نہ تھے بلکہ بنی اسرائیل کے تمام اسباط اور گروہوں کو تھے لہذا اس خطاب کی مخاطب مجموع قوم بنی اسرائیل ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ اس پوری قوم بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا جو اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی بنی اسرائیل میں سے نہ ہوگا اس لئے کہ اگر وہ نبی بنی اسرائیل میں سے ہوتا تو یہ فرماتے کہ خود تم میں سے ایک نبی پیدا ہوگا، کما قال تعالیٰ :۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ اور یہ نہ فرماتے کہ تمہارے بھائیوں میں سے وہ نبی ظاہر ہو: کما قال تعالیٰ: خطاباً لِبَنِىْ اِسْرَآئِيْلَ وَجَعَلَ فِيْكُمْ اَنْبِيَآءَ۔

غرض یہ موسیٰ علیہ السلام کا تمام بنی اسرائیل کو بلا کسی تخصیص کے یہ خطاب فرمانا کہ وہ نبی موعود تمہارے بھائیوں میں سے ہوگا،اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی موعود بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ہوگا کیونکہ بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں۔نصاریٰ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے خود بنی اسرائیل مراد ہیں مگر یہ بالکل غلط ہے اور سراسر خلاف عقل ہے اور ساری لغت کے خلاف ہے جب یہ کہا جائے کہ زید کے بھائی،تو زید ان بھائیوں میں داخل نہ ہوگا بلکہ بھائیوں کے علاوہ ہوگا کیونکہ مضاف الیہ بالاتفاق عقلاً مضاف سے خارج ہوتا ہے نیز کسی شخص اور اس کی اولاد کو دنیا کے کسی محاورہ میں بطریق حقیقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اس کے بھائی ہیں پس بنی اسرائیل کے بھائیوں سے بنی اسرائیل کی اولاد مراد لینا ہے جو سراسر نادانی اور جہالت ہے۔محاورہ میں یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ زید بنی تمیم کا بھائی ہے اور ہود قوم عاد کے بھائی ہیں اور صالح قوم ثمود کے

بھائی ہیں یعنی اس قوم کے ایک فرد ہیں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قوم عاد قوم عاد کے بھائی اور ثمود ثمود کے بھائی ہیں اور بنو تمیم بنو تمیم کے بھائی ہیں اور بنو ہاشم بنو ہاشم کے بھائی ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ بنی اسرائیل بنی اسرائیل کے بھائی ہیں صریح نادانی اور جہالت ہے اور یہ کہنا کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں سے ان کی نسل اور اولاد مراد ہے کھلی ہوئی حماقت ہے۔

نیز کتاب پیدائش کے سولھویں باب درس ۱۲ میں بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا اس طرح ذکر ہے:۔ ''وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش اختیار کرے گا۔'' اور تورات سفرِ پیدائش کے باب ۲۵ درس ۱۸ میں ہے:۔

''کہ اسماعیل علیہ السلام اپنے سب بھائیوں کے سامنے مر گیا۔ الخ ''

پس ان دونوں جگہ بنی اسماعیل علیہ السلام کے بھائیوں سے بالاتفاق بنی عیص اور بنی اسرائیل مراد ہیں اور یہ امر باتفاق یہود و نصاریٰ ثابت ہے کہ خالص بنی عیص میں سے کوئی صاحب نبوت نہیں ہوا اور یہ امر بھی فریقین میں مسلم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جو اولاد قطورہ سے ہوئی ان سے بھی اللہ تعالیٰ نے نبوت اور برکت کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا البتہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حق میں برکت کا وعدہ فرمایا۔

اہل کتاب کی ایک تحریف کا ذکر

علماء اہل کتاب نے اس بشارت میں ایک لفظ یہ اضافہ کر دیا ہے: خدا تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک پیغمبر قائم کرے گا [دیکھو اسی باب کا درس ۱۵] تا کہ یہ بشارت نبی کریم ﷺ پر صادق نہ آئے سو جاننا چاہئے کہ یہ لفظ تیرے ہی درمیان سے بعد میں بڑھایا گیا ہے، دلیل اس تحریف کی یہ ہے کہ تورات استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب میں الفاظ یہ ہیں: میں ان کیلئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا۔

اس میں ''تیرے ہی درمیان سے'' کا لفظ مذکور نہیں اور عجیب بات ہے کہ کتاب اعمال باب ۳ آیت ۲۲ میں اس خبر کا ذکر آیا ہے مگر ''تیرے درمیان'' کا لفظ مذکور نہیں۔ نیز حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریین نے جہاں کہیں بھی اس کلام کو نقل کیا ہے اس میں یہ جملہ یعنی ''تیرے ہی درمیان سے'' کبھی ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ جملہ الحاقی ہے اور اگر بالفرض والتقدیر تھوڑی دیر کیلئے یہ تسلیم کرلیا جائے کہ یہ جملہ الحاقی نہیں تو ہوسکتا ہے کہ اس کی مراد یہ ہو کہ تیرے درمیان سے یعنی خدا پرستوں کی نسل سے مطلب یہ کہ وہ حضرت ابراہیم حنیف علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل کے بارہ اسباط کو مخاطب بنا کر یہ فرمانا کہ ان کے بھائیوں میں سے حق تعالیٰ ایک نبی برپا کرے گا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ بنی اسرائیل نہ ہوگا ورنہ اگر کسی اسرائیلی نبی کی خبر دینا منظور ہوتا تو یہ فرماتے کہ ان میں سے یا ان کی اولاد میں سے وہ نبی برپا ہوگا ایسی صورت میں بھائیوں کا لفظ بڑھانا محض لغو اور فضول ہوگا بھائیوں کا لفظ بآواز بلند پکار رہا ہے کہ اس موعود کو ان لوگوں کے ساتھ علاقہ، صلبی یا بطنی نہ ہوگا یعنی وہ نبی بنی اسرائیل کی نسل سے نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں بنی اسرائیل میں سے ہیں بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے نہیں لہذا یہ دونوں نبی اس بشارت کا مصداق نہیں بن سکتے اس بشارت کا مصداق صرف وہی نبی ہوسکتا ہے کہ جو بنی اسماعیل میں سے ہو، انبیاء بنی اسرائیل میں سے کوئی پیغمبر اس بشارت کا مصداق نہیں ہوسکتا

دوم:۔ یہ کہ اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ تیرے مانند ایک نبی برپا کروں گا اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے مانند نہ یوشع علیہ السلام ہیں اور نہ عیسیٰ علیہ السلام، اس لئے کہ یہ دونوں

حضرات بنی اسرائیل میں سے ہیں اور تورات استثناء باب ۳۴ آیت ۱۰ میں ہے کہ: ''بنی اسرائیل میں موسیٰ علیہ السلام کے مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا۔'' (انتہیٰ)

علاوہ ازیں حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تلمیذ (شاگرد) تھے اور تابع اور متبوع مماثل نہیں ہوتے نیز حضرت یوشع علیہ السلام اس وقت موجود تھے اور اس بشارت میں یہ مذکور ہے کہ ایک نبی برپا کروں گا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نبی کا وجود زمانہ مستقبل میں ہوگا اور یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کے زمانہ میں نبی ہو چکے تھے پس وہ اس بشارت کا جس میں آئندہ نبی کی خبر دی گئی ہے کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مماثل نہیں اس لئے کہ نصاریٰ کے نزدیک تو وہ ابن اللہ یا خود خدا ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ خدا کے ایک بندے ہیں پس بندے اور خدا میں کیا مماثلت نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہ اعتقاد نصاریٰ مقتول و مصلوب ہو کر اپنی امت کیلئے کفارہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ مقتول و مصلوب ہوئے اور نہ کفارہ ہوئے۔

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت حدود و قصاص، زواجر و تعزیرات، غسل و طہارت کے احکام سے ساکت ہے بخلاف شریعت موسویہ کے وہ ان تمام امور پر مشتمل ہے ہاں نبی کریم ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میں مماثلت ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت مستقلہ تھے اسی طرح ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت غراء بھی مستقل اور کامل اور علیٰ وجہ الاتم حدود و تعزیرات، جہاد و قصاص، حلال و حرام کے احکام کو جامع ہے اور ظاہری احکام کی طرح باطنی احکام یعنی اخلاق بھی جامع ہے۔

جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے پنجہ سے نکال کر عزت دی اس سے بدرجہا زائد نبی کریم ﷺ نے عرب کو روم اور فارس کی قید سے چھڑا کر اللہ کا کلمہ پڑھایا اور قیصر وکسریٰ کے خزائن کی کنجیاں ان کے سپرد کیں نیز جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نکاح کیا اسی طرح ہمارے نبی کریم ﷺ نے بھی انبیاء سابقین کی سنت نکاح پر عمل فرمایا اور اسی مماثلت کی طرف قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ ہے[اِنَّا اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا] [مزمل:۱۵]

”ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا تم پر گواہی دینے والا جیسے ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا۔“

نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام نے کبھی اس مماثلت کا دعویٰ نہیں فرمایا اور اگر یہ کہا جائے کہ مماثلت سے یہ مراد ہے کہ وہ نبی موعود موسیٰ علیہ السلام کی طرح بنی اسرائیل میں سے ہوگا، تو اس صورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کی کیا تخصیص ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی پیدا ہوئے اس لحاظ سے ہر نبی انبیاء بنی اسرائیل میں سے اس بشارت کا مصداق بن سکتا ہے اور اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوشع علیہ السلام کیلئے کسی درجہ میں مماثلت تسلیم کر لی جائے تو اس مماثلت کو اس مماثلت سے جو کہ نبی اکرم ﷺ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہے کوئی نسبت نہیں

سوم:۔ یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ میں اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا یعنی اس نبی پر الواح تورات وزبور کی طرح لکھی ہوئی کتاب نازل نہ ہوگی بلکہ فرشتہ اللہ کی وحی لے کر نازل ہوگا اور وہ نبی اُمّی ہوگا فرشتہ سے سُن کر اللہ کا کلام یاد کرے گا اور اپنے منہ میں پڑھ کر اُمت کو سنائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ بات بجز اُمّی فداہ نفسی

وابی و اُمی کسی پر صادق نہیں آتی، کما قال اللہ تعالیٰ [وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحَىٰ] آپ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے مگر وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی جاتی ہے۔

چہارم:۔ یہ کہ اس بشارت میں اس امر کی بھی تصریح ہے جو اُس نبی موعود کے حکم کو نہ مانے گا میں اس کو سزا دوں گا اور ظاہر ہے کہ اس سزا سے اُخروی عذاب مراد نہیں اس لئے کہ اس میں اس موعود کے نہ ماننے والے کی کیا خصوصیت، اُخروی عذاب ہر نبی کے نہ ماننے والے کیلئے ہے بلکہ اس سے دنیوی سزا یعنی جہاد و قتال اور حدود و قصاص کا جاری کرنا مراد ہے اور یہ بات نہ عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل ہوئی اور نہ یوشع علیہ السلام کو۔ البتہ خاتم الانبیاء سرور عالم ﷺ کو علی وجہ الاتم حاصل ہوئی لہذا وہی اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں۔

پنجم:۔ یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ اگر وہ نبی عیاذ باللہ افتراء کرے گا اور خدا کی طرف غلط بات منسوب کرے گا تو وہ نبی قتل کیا جائے گا اور ظاہر کہ ہمارے نبی کریم ﷺ بعد دعوائے نبوت قتل نہیں کیے گئے۔ دشمنوں نے ہر طرح کی کوشش اور تدبیر کی مگر سب برباد ہو گئیں، کما قال اللہ تعالی:۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ○

''اے محمد ﷺ اس نعمت کو یاد کیجئے کہ کافر جب آپ کے ساتھ مکر کرتے ہیں کہ آپ کو قید کر لیں یا مار ڈالیں یا نکال دیں وہ اپنی تدبیر کرتے ہیں اور اللہ اپنی تدبیر فرماتا ہے اور اللہ ہی بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' [الانفال:۳۰]

اور حسب وعدہ الٰہی [وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ] [المائدہ:۶۷] آپ

بالکل محفوظ اور مامون رہے اور بجائے اس کے کہ کسی قسم کا حادثہ فاجعہ پیش آتا آپ کی شان وشوکت بلند ہوتی گئی پس آنحضرت ﷺ اگر وہ نبی موعود نہ ہوتے تو ضرور قتل کیے جاتے ہاں حسب زعم نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول ومصلوب ہوئے پس اگر حضرت مسیح ابن مریم علیہ السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دیا جائے تو علیٰ زعم النصاریٰ عیاذ باللہ ان کا کاذب ہونا لازم آتا ہے اور قرآن عزیز میں بھی اس طرف اشارہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ:۔

وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰکَ لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْھِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوۃِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا ۝

''اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو آپ قریب تھے کہ ان کی جانب اقل قلیل مائل ہو جاتے ،اس وقت ہم آپ کو زندگی اور موت کا دو چند عذاب چکھاتے پھر آپ ہمارے مقابلے میں کسی کو مددگار نہ پاتے۔'' [بنی اسرائیل:۷۴،۷۵]

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْہُ بِالْیَمِیْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْہُ الْوَتِیْنَ ۝ ''اگر محمد ﷺ ہم پر کچھ افتراء کرتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کی شہ رگ کو کاٹ دیتے۔'' [المعارج:۴۴،۴۵،۴۶]

ایک ضروری تنبیہ:۔ بیسویں درس (آیت) میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ نبی اگر مجھ پر جھوٹ باندھے تو مار ڈالا جائے گا۔ سوچنا چاہیے کہ نہ قتل ہونا علی الاطلاق صادق ہونے کی دلیل نہیں ورنہ ان انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کہ جو دشمنوں کے ہاتھ سے قتل کئے گئے زیر تامل ہوگی، کما قال اللہ تعالیٰ: [ویقتلون النبیین بغیر الحق] خصوصاً نصاریٰ کو اپنے عقیدہ فاسد کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت ثابت کرنا بہت دشوار ہو جائے گی بلکہ خاص اس نبی موعود کا قتل نہ ہونا اس کے صادق ہونے کی علامت ہے جیسا کہ

تورات کی اس عبارت سے ظاہر ہے ''وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے گا۔ الخ'' وہ قتل کیا جائے گا۔''

دونوں جملوں میں وہ کی ضمیر خاص اس نبی موعود کی طرف راجع ہے اگر یہ حکم مطلق نبی کے حق میں ہو تو معاذ اللہ حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحیٰی علیہ السلام جھوٹے نبی ٹھہرتے ہیں اور نصاریٰ کے عقیدہ کی بنا پر چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب ہوئے تو وہ بھی معاذ اللہ جھوٹے ٹھہرتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ خبر خاص اس نبی موعود کے حق میں ہے کہ جس کی یہ بشارت دی گئی ہے اگر اس خبر کو مطلق نبی کے حق میں مانا جائے تو یہود بے بہبود جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے ان کو اپنے کفر کیلئے ایک دلیل ہاتھ آ جائے گی۔

ششم:۔ یہ کہ اس بشارت میں یہ بھی مصرح ہے کہ اس نبی موعود کے صادق ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کا کہا پورا ہوگا یعنی اس کی پیشن گوئیاں صادق ہوں گی۔ سو الحمدللہ کہ اس صادق مصدوق کی کوئی پیشن گوئی آج تک ذرہ برابر بھی غلط ثابت نہیں ہوئی اور ہم پورے دعوے کے ساتھ یہ ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ قیامت تک بھی کوئی حاسد اس صادق مصدوق کی کسی پیشن گوئی کو غلط ثابت نہیں کرسکتا اور یہ وصف تو آنحضرت ﷺ میں ایسا نمایاں اور اجلی تھا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں اور حاسدوں کو بھی بجز صادق امین کہنے کے کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔

ہفتم:۔ یہ کہ کتاب الاعمال باب سوم آیت ۱۷ کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نبی منتظر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ایلیاہ علیہ السلام بلکہ تمام انبیاء کرام کے علاوہ ہے، وہ عبارت یہ ہے:۔ ''اب اے بھائیو میں جانتا ہوں کہ تم نے یہ نادانی سے کیا جیسے تمہارے سرداروں نے بھی، پر جن باتوں کی خدا نے اپنے سب نبیوں کی زبان سے آگے سے خبر دی

تھی کہ مسیح دکھ اٹھائے گا سو پوری کیں، پس توبہ کرو اور متوجہ ہو کہ تمہارے گناہ مٹائے جائیں تاکہ خداوند حضور تازگی بخش ایام آویں، اور یسوع مسیح کو پھر بھیجے جس کی منادی تم لوگوں کے درمیان آگے سے ہوئی، ضرور ہے کہ آسمان اسی لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی تیری مانند اٹھادے گا جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو، اور ایسا ہوگا کہ ہر نفس کہ جو اس نبی کی نہ سنے وہ قوم سے نیست کیا جاوے گا، بلکہ سب نبیوں نے سموایل سے لے کر پچھلوں تک جتنوں نے کلام کیا ان دونوں کی خبر دی ہے، تم نبیوں کی اولاد اور اس عہد کے ہو جو خدا نے باپ دادوں سے باندھا ہے جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں۔'' [کتاب اعمال باب: ۳ آیت: ۱۷ تا ۲۵]

اس عبارت میں اوّل حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور ان کی اس تکلیف کا جو 'ان' کو علی زعمھم یھود لعنھم اللہ سے پیش آئی ذکر ہے اور ان کے نزول من السماء کا تذکرہ ہے اس کے بعد اس نبی کی بشارت کا ذکر ہے کہ جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا۔

''خداوند عالم تمہارے بھائیوں یعنی بنی اسماعیل میں سے ایک نبی بھیجنے والا ہے اور علاوہ موسیٰ علیہ السلام کے تمام نبیوں نے اس نبی موعود کے آنے کی خبر دی ہے اور جب تک یہ وعدہ ظہور میں نہ آئے گا اس وقت تک یہ زمین و آسمان ضرور قائم رہیں گے اور اسی زمانہ میں خدا کا وہ عہد بھی پورا ہوگا کہ جو اس نے ابراہیم علیہ السلام سے کیا تھا کہ تجھ سے دنیا کے سارے گھرانے برکت پاویں گے۔ الحاصل حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت کو ذکر کر کے یہ کہنا (سو

پوری کیں) اور جس نبی کی موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء کرام علیہم الف الف صلوۃ والف الف سلام نے بشارت دی ہے کہ اس کے انتظار کو ان الفاظ سے ظاہر کرنا کہ ''ضرور ہے کہ آسمان اس کیلئے رہے کہ اس وقت سب چیزیں کہ جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں۔''

اس امر کی صاف دلیل ہے کہ وہ نبی مبشر اور رسول منتظر ان تمام انبیاء ورسل کے علاوہ ہے کہ جو حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک گزرے، لہذا اس بشارت کا مصداق حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک کا کوئی نبی نہیں ہوسکتا، پس حضرت یوشع علیہ السلام یا حضرت مسیح علیہ السلام کو اس بشارت کا مصداق قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

ہشتم:۔ یہ کہ انجیل یوحنا باب اوّل آیت:۱۹ میں ہے:۔

''جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اس کو پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ تو الیاس ہے؟ اس نے کہا میں نہیں ہوں، پس آیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔''

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کو حضرت مسیح علیہ السلام اور ایلیاہ علیہ السلام کے سوا بھی ایک نبی کا انتظار تھا اور وہ نبی ان کے نزدیک ایسا معروف ومعہود تھا کہ اس کے نام کے ذکر کرنے کی بھی حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت ایلیاہ علیہ السلام کے نام کی طرح حاجت نہ تھی بلکہ فقط ''وہ نبی'' کا اشارہ ہی اس کیلئے کافی تھا۔ پس اگر حضرت مسیح علیہ السلام ہی اس بشارت کا مصداق تھے تو پھر ان کو انتظار کس کا تھا؟۔

وہ نبی جس کا کہ ان کو انتظار تھا وہ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہیں اور اسی وجہ سے کہ اہل کتاب نبی اکرم سیدنا محمد ﷺ کیلئے ''وہ نبی'' کا لفظ استعمال کرتے تھے اس لئے ہمیشہ سے اہل اسلام نبی کریم ﷺ کو آنحضرت (جو بعینہ وہ نبی کا ترجمہ ہے) بولتے ہیں۔

نہم:۔ یہ کہ انجیل یوحنا باب: ۷ آیت: ۴۰ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ نبی موعود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ہے چنانچہ انجیل میں ہے:۔ ''تب ان لوگوں میں سے بہتیروں نے یہ سن کر فی الحقیقت یہی وہ نبی ہے اوروں نے کہا یہ مسیح ہے۔''

نبی معہود کو حضرت مسیح علیہ السلام کے مقابلہ میں ذکر کرنا اس کی کھلی ہوئی دلیل ہے کہ وہ نبی معہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ہے پس اگر ''وہ نبی'' سے آنحضرت ﷺ مراد نہ ہوں تو پھر وہ کون نبی ہے کہ جس کا انتظار تھا؟

دہم:۔ آپ کے عہد نبوت میں سے علماء یہود و نصاریٰ نے اس امر کا اعتراف کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے اور آپ ہی اس بشارت کے مصداق ہیں بعد ازاں ان میں سے بہت سے اسلام لائے جیسے مخیریق اور عبداللہ بن سلام یہودی اور ضغاطر رومی عیسائی اور بہت نے اقرار کیا مگر اسلام نہیں لائے جیسے ہرقل شاہ روم اور عبداللہ بن صوریا یہودی وغیرہما نے اقرار کیا کہ آپ وہی نبی برحق ہیں جن کی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی ہے مگر اسلام نہیں لائے۔

بشارت نمبر ۲: ۔از۔ تورات، کتاب پیدائش باب ۱۷ آیت ۲۰

''اسماعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اس سے بڑی قوم بناؤں گا۔''

اور اسی باب کی آیت: ۸ میں ہے:۔''اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں۔''

اور کتاب پیدائش کے باب ۱۶ آیت ۱۱ میں ہے:''خداوند کے فرشتہ نے اسے (ہاجرہ) سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنے گی اس کا نام اسماعیل رکھنا خدا نے تیرا دکھ سن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا اس کا ہاتھ سب سے (اوپر ہوگا) اور سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بودوباش کرے گا۔'' انتہیٰ

اور باب ۲۵ آیت ۱۱ میں ہے:''آپ کے فرزند اسحاق کو اللہ نے برکت دی۔''

الحاصل حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بابت وعدہ فرمایا کہ ان کو برکت دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اوّل حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد نے برکت حاصل کی اور تقریباً کئی ہزار سال تک سلسلۂ نبوت ورسالت آپ کی ادلاد میں جاری رہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک برابر حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں انبیاء ورسل ہوتے رہے۔

بعد ازاں جب دوسرے وعدہ کا وقت آگیا تو شرفِ نبوت و رسالت یکسر بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی جانب منتقل ہوگیا اور دعائے حضرت ابراہیم کا ظہور فاران کی چوٹیوں سے سینا اور ساعیر کا نور فاران پر جگمانے لگا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔

تورات سفرِ پیدائش باب: ۲۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں لے کر آئے اور وادیٔ فاران میں مکہ مکرمہ کے قریب چھوڑ کر واپس ہو گئے۔

حضرت سارہ کے وصال کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی وادیٔ فاران میں واپس تشریف لائے۔ اس عرصہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہو چکے تھے۔ دونوں نے مل کر کعبۃ اللہ کی تعمیر شروع کی۔ کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ:۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔

''اس وقت کو یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور یہ دعا مانگتے تھے کہ: اے پروردگار یہ خدمت تو ہم سے قبول فرما تو بے شک سننے والا اور جاننے والا ہے اور اے پروردگار ہم کو اور ہماری ذرّیت سے ایک جماعت کو اپنا فرمانبردار بنا۔'' [البقرۃ: ۱۲۷، ۱۲۸]

ناظرین غور فرمائیں کہ اس مقام پر کس کی ذرّیت مراد ہے ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذرّیت مراد ہے کہ وادی فاران اور حرم الٰہی اور کعبۃ اللہ کے آس پاس مقیم ہے۔ اسی ذرّیت کیلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اوّل یہ دعا فرمائی:۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا الخ اور دوسری دعا یہ فرمائی:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اے پروردگار ہاجرہ اور اسمٰعیل کی ذرّیت میں ایک ایسا رسول بھیج جو تیری کتاب کی تلاوت کرے اور لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کو کفر اور شرک سے پاک کرے بے شک تو ہی غالب اور حکیم ہے۔" [البقرۃ:۱۲۹]

حق تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم میں اس دعائے ابراہیمی علیہ السلام کا ذکر فرمایا ہے اسی طرح اس کی اجابت کا بھی تذکرہ فرمایا ہے:۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍo

"اللہ ہی نے بے پڑھوں میں ان ہی میں ایک رسول بھیجا جو ان پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔" [الجمعۃ:۲]

خلاصہ:۔ یہ کہ قارئین کرام اس پر غور کریں کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں نبی اکرم ﷺ سے زائد کون بابرکت اور برومند ہوا اور کنعان کی زمین کس کی وراثت میں آئی اور حضور پُرنور کے سوا کون ہے کہ جس کا ہاتھ سب کے اوپر ہوا ہو اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس کے ہاتھ میں دی گئی ہوں۔

اور بارہ سرداروں سے بارہ خلفاء مراد ہیں: كَمَا قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَدُ رَوُحی الْاِسْلَامِ اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ ۔ "اسلام کارحیٰ (چکی) بارہ (۱۲) خلفاء پر گھومے گا جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔"

فائدہ جلیلہ:۔ اس علیم وحکیم نے اپنی حکمت بالغہ سے اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کو اسماعیل علیہ السلام کی اولاد پر برکت دینے میں اس وجہ سے مقدم رکھا کہ حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں خاتم النبیین سیدنا محمد ﷺ پیدا ہونے والے تھے پس اگر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے وعدہ کو مقدم کر دیا جاتا تو پھر اسحٰق علیہ السلام کی اولاد سے سلسلۂ نبوت و رسالت منقطع ہو جاتا اس لئے خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ کے بعد کوئی نبی و رسول نہیں بنایا جا سکتا اور اسی وجہ سے کہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں بکثرت نبی ہوں گے تو بنی اسرائیل کو اس انعام کی تذکیر ان الفاظ سے کی گئی:۔

[اذجعل فیکم انبیآء] ''تم میں سے حق تعالیٰ نے بہت سے نبی پیدا کئے۔''

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کیلئے دعا فرمائی تو یہ فرمایا:۔

[ربنا وابعث فیھم رسولا] ''یعنی اے پروردگار ان میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج اور یہ نہیں فرمایا: [ربنا وابعث فیھم رسلا] ''یعنی اے اللہ ان میں بہت سے رسول اور نبی بھیج۔''

جس سے یہی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بنی اسمٰعیل علیہ السلام میں سے صرف ایک ایسے رسول کے مبعوث ہونے کی دعا فرماتے تھے کہ جس کے آنے کے بعد کسی نبی اور رسول کی حاجت نہ رہے۔ صیغۂ مفرد کے ساتھ ذکر فرمایا، رسلاً صیغہ جمع کے ساتھ نہیں ذکر فرمایا:۔

وَعَنْ اَبِی الْعَالِیَۃِ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالیٰ: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ یَعْنِیْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ فَقِیْلَ لَہٗ قَدِ اسْتُجِیْبَ لَکَ اَھُوَ کَائِنٌ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَکَذَا قَالَ السُّدِّیُّ وَ قَتَادَۃُ۔

''ابولعالیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْھُمْ تو اللہ کی جانب سے کہا گیا کہ تمہاری دعا قبول ہوئی یہ پیغمبر اخیر زمانہ میں ہوگا ایسا ہی سدی اور قتادہ سے مروی ہے۔'' [تفسیر ابن کثیر جلد:۱]

[هو کائن فی اٰخر الزمان] سے خاتم النبیین ہونا مراد ہے اور آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد [انا دعوۃ ابی ابراھیم] ’’یعنی میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔‘‘ اسی طرف مشیر ہے اور اسی وجہ سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا اُمت محمدیہ ﷺ پر عظیم الشان احسان ہے۔[اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ] کے بعد [کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ] کا پڑھنا اس احسان کے شکر میں اُمت پر لازم ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ تمام انبیاء و رسل میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صلوۃ والسلام کیلئے مخصوص کرنا ان کی اس دعا کی اجابت ہے [رَبِّ ھَبْ لِیْ حُکْماً و الحقنی بالصالحین واجعل لی لسانَ صدق فی الاخرین] چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم و حکمت بھی عطا فرمائی اور صالحین میں بھی داخل فرمایا اور آخر میں یعنی اس آخری اُمت میں [کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ] کے ذریعہ سے ان کا ذکر خیر جاری فرمایا اور ان شاء اللہ العزیز الی یوم القیامہ اسی طرح جاری رہے گا۔[اَللّٰھُمَّ صَلِّی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ]

اور چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برکت دینے کا وعدہ تھا اس لئے [کَمَا بَارَکْتَ] کا اضافہ کر دیا گیا اور عجب نہیں کہ ان بارہ سرداروں سے کہ جن سے خلفاء مراد لئے گئے ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو یعنی آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری نہ رہے گا بلکہ خلافت و نیابت کا سلسلہ جاری ہوگا اور اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے اُمت سے صرف خلافت کے جاری رکھنے کا وعدہ فرمایا۔ نبوت و رسالت کا کسی درجہ میں بھی وعدہ نہیں فرمایا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَسْتَخْلِفَنَّکُمْ فِی الْاَرْضِ ۔

وَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِیلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِیَاءُ کُلَّمَا هَلَکَ نَبِیٌّ وَاَنَّهُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ سَیَکُوْنُ خُلَفَاءَ۔

"جو لوگ ایمان لا چکے اور جنہوں نے عمل صالح کئے ان سے اللہ تعالیٰ نے خلافت دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: "نبوت کی خلافت میرے بعد تیس (۳۰) سال رہے گی۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "بنی اسرائیل کا انتظام ان کے نبی کیا کرتے تھے جب کوئی نبی گزر جاتا تو دوسرا نبی اس کے قائمقام ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے۔" [رواہ البخاری]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۳: از تورات استثناء باب ۳۳ آیت ۲

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَیْنَاءَ اَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَاعِیْرِ وَتَلَاْلَاءَ مِنْ جِبَالِ فَارَانٍ وَاٰتٰی مِنْ رَبْوَاتِ الْقُدْسِ وَعَنْ یَمِیْنِهٖ نَارُ شَرِیْعَةٍ۔

اور الجواب الفسیح میں بعض نسخ تورات سے اس طرح نقل کیا ہے: جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَیْنَاءَ وَاَشْرَقَ لَنَا مِنْ سَاعِیْرِ وَاسْتَعْلَنَّ مِنْ جِبَالِ فَارَانٍ۔

اور اُردو نسخہ میں اس طرح ہے: "اور اس نے (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کیلئے تھی۔"

اس آیت میں تین بشارتیں مذکور ہیں: (۱) طور سینا پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات کا عطا ہونا مراد ہے (۲) اور ساعیر ایک پہاڑی کا نام ہے جو کہ شہر ناصرہ مولد عیسیٰ علیہ السلام میں واقع ہے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور نزول انجیل کی طرف اشارہ ہے (۳) اور

فاران سے مکہ کے پہاڑ مراد ہیں اس سے نبی کریم ﷺ کی رسالت اور نزول قرآن کی جانب اشارہ ہے، غارِ حرا اسی فاران پہاڑ میں واقع ہے جس میں سب سے پہلے [اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ] کی ابتدائی پانچ آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں۔

تورات کتاب پیدائش کے اکیسویں باب آیت (ورس) ۲۰ میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذکر میں ہے: ''اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا۔'' (انتہی)

اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت کا مکہ مکرمہ میں ہونا سب کو مسلم ہے معلوم ہوا کہ تورات کی اس آیت میں اس نبوت کی بشارت ہے جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوگی اور کوہ و دشت کو اپنے نور سے بھر دے گی۔ اب ناظرین خود دیکھ لیں کہ کہ سوائے نبوت محمدیہ ﷺ کے وہ کون سی نبوت ہے جو کہ فاران سے ظاہر ہوئی اور اس نے تمام عالم کو انوارِ ہدایت سے منور کر دیا فاران کی نبوت بلاشبہ سینا اور ساعیر کی نبوت سے کہیں زیادہ روشن تھی اور آتشی شریعت سے بھی قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ وہ احکام جہاد اور احکام حدود و قصاص پر مشتمل ہے اور دس ہزار قدوسیوں سے لشکر ملائکہ مراد ہے یا آنحضرت ﷺ کا فتح مکہ کے وقت دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنا مراد ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ بقول نصاریٰ صرف بارہ حواری تھے اور وہ بھی سب جان بچا کر بھاگ گئے اور ایک خاص حواری یہودا نے ۳۰ درہم رشوت لے کر اپنے خداوند کو گرفتار کروا دیا تھا۔ اور اس بشارت کی حسنِ ترتیب اور حسنِ بیان قابل غور ہے۔ اوّل یہ فرمایا: [جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سَیْنَاءَ] خداوند سینا سے آیا اور اس کے بعد یہ فرمایا: [واشرق من ساعیر] ساعیر سے طلوع ہوا اور اخیر میں یہ فرمایا [واستعلن من جبال فاران] فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ جس سے مقصد

یہ ہے کہ نزول تورات بمنزلہ طلوع فجر کے ہے اور نزول انجیل بمنزلہ طلوع شمس کے ہے اور نزول قرآن بمنزلہ استواء الشمس فی نصف النہار کے ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ کفر کی تاریک شب کا خاتمہ اور پہلی پھٹ کر ایمان و ہدایت کی صبح صادق کا ظہور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا اور فرعون، قارون اور ہامان جیسے آئمۃ الکفر عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔ اور جب حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت بھی افق مشرق پر ظاہر ہوا اور جب نبی اکرم ﷺ کا ظہور ہوا تو آفتاب ہدایت ٹھیک نصف النہار پر آ گیا اور کوئی چپہ زمین کا ایسا باقی نہ رہا کہ جہاں اس آفتاب کی روشنی نہ پہنچی ہو اور قرآن عزیز میں بھی اس بشارت کی طرف اشارہ ہے:۔ وَالتِّيْنِ ۝ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ تین اور زیتون چونکہ ارض مقدس میں پیدا ہوتے ہیں جس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اس لئے اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی جانب اشارہ ہے اور بلد امین سے مراد مکہ مکرمہ ہے کہ جس سے آفتاب نبوت و رسالت کا طلوع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی صفت الامین ذکر فرمائی ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ سرور عالم سیدنا محمد ﷺ خزانہ الٰہی کے درِ یتیم ہیں کہ بطور امانت اس بلد امین کے سپرد کیے گئے۔ بلد امین نے ترپن سال تک اس درِ یتیم اور امانت الٰہی کی حفاظت کی مگر جب وقت بہت ہی نازک ہو گیا تو اس وقت بلد امین نے بادلِ خواستہ یہ امانت مدینہ طیبہ کے سپرد کر دی۔ کذا فی ہدایۃ الحیاریٰ

الحاصل:۔ اس کلام میں تین پیغمبروں کی بشارتیں دی گئیں اور بشارت کا اختتام خاتم الانبیاء ﷺ کے ذکر مبارک پر ہوا تاکہ ختم نبوت کی طرف اشارہ ہو جائے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ فاران سیناء کے ایک علاقہ کا نام ہے، حضرت محمد ﷺ چونکہ

اس علاقہ میں ظاہر نہیں ہوئے اس لئے یہ بشارت ان کے حق میں نہیں ہوسکتی۔

جواب یہ ہے کہ تورات کتاب پیدائش باب اکیس (۲۱) آیت ۱۳ تا ۲۱ میں لکھا ہے کہ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بی بی سارہ کے ناراض ہوجانے سے ارض مقدس کو چھوڑ کر دشت فاران میں سکونت پذیر ہوئے جس کی بنا پر فاران وہی مقام ہوگا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد کا سکونت گاہ ثابت ہوا۔ اور یہ امر روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ بی بی حاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام وادیٔ حجاز کے اس میدان میں مقیم ہوئے جہاں اس وقت مکہ آباد ہے اور یہیں آپ کی اولاد بھی قیام پذیر ہوئی۔ معلوم ہوا کہ فاران علاقۂ سینا کے کسی پہاڑ کا نام نہیں بلکہ مکہ مکرمہ کے پہاڑ کا نام ہے جہاں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی سکونت تھی۔

سامری تورات کے عربی ترجمہ میں جس کو علمائے جرمن نے ۱۸۵۱ء میں بمقام گائنگن چھپوایا ہے حضرت اسمٰعیل کی سکونت گاہ کے متعلق تحریر ہے:۔

وسكن في برية فاران راى الحجان واخذت له امرأة من ارض مصر ۔[کون الدنیا-۲۱،۲۲]

حضرت داوٗد علیہ السلام سمویل نبی کی وفات کے بعد دشت فاران تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے ایک زبور تصنیف کیا جس میں نہایت افسوس کے ساتھ فرماتے ہیں کہ میں قیدار کے قیام گاہ میں سکونت پذیر ہوں۔ [دیکھو سمویل نبی کی پہلی کتاب باب:۲۵ آیت:۱، اور دیکھو زبور:۱۲۰، آیت:۵]

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قیدار فاران میں رہتا تھا، قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دوسرے فرزند ہیں۔ اشعیاء پیغمبر کے صحیفہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اور اس کی

اولاد مغربی ملک میں رہتی تھی، بطلیموس نے حجاز کا وسطی علاقہ اس کی جائے سکونت بتلایا ہے۔ اس بنا پر یہ امر ثابت ہے کہ وادیٔ حجاز اور فاران دونوں ایک ہی مقام ہیں۔

جناب رسالت مآب ﷺ کا ظہور مکہ میں ہوا جو حجاز کا مشہور شہر ہے۔ کذا فی البشارات الاحمدیہ [یہ رسالہ جناب حکیم سید محمد شمس اللہ صاحب کا ہے] اور آتشی شریعت سے مراد یہ ہے کہ وہ شریعت احکام جہاد و قصاص وحدود و تعزیزات پر مشتمل ہوگی اور اس کی نبوت دنیاوی بادشاہت ساتھ۔ لیکن موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت دنیاوی بادشاہت کو ساتھ لئے ہوئے نہ تھی اور نہ وہ مجرمین سے انتقام پر قادر تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر۴: ۔از۔ تورات استثناء باب ۳۲ آیت ۲۱﴾

"انہوں نے اس کے سبب سے جو خدا نے مجھے غیرت دلائی اور اپنی واہیات باتوں سے مجھے غصہ دلایا، سو میں بھی انہیں اس سے جو گروہ نہیں غیرت میں ڈالوں گا اور ایک بے عقل قوم سے انہیں خفا کروں گا۔"

اس بشارت میں بے عقل قوم سے جہلائے عرب مراد ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھے۔ علوم عقلیہ و شرعیہ سے واقفیت تو درکنار ان کو تو سوائے بت پرستی کے اور کسی شیٔ کا علم نہ تھا۔ یہودی اور عیسائی ان کو بہت حقیر جانتے تھے، ان کو جاہل اور اپنے کو عالم کہتے تھے لیکن جب یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی اصلی تعلیم کو بھلا دیا اور بجائے توحید کے شرک میں مبتلا ہو گئے: کما قال اللہ تعالیٰ [وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ] یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا اور خدا کا بیٹا بنا لیا۔ اس وقت غیور مطلق حق جل جلالہ کی غیرت جوش میں آئی اور حسب وعدہ انہی جہلا اور امیین میں سے ایک نبی امی فداہ نفسی ابی

وامی کو مبعوث فرمایا جس کے ہاتھوں اپنے دین کو عزت دی اور یہود بے بہبود کو ان کے ہاتھوں قتل کرایا اور مصر و شام پر ان کا قبضہ کرایا۔

کما قال اللّٰہ تعالیٰ: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝

''تمام آسمانوں اور زمین کی چیزیں خدائے بادشاہ پاک زبردست حکمت والے کی تسبیح و تقدیس پڑھتی ہیں، اسی خداوند قدوس نے ناخواندوں میں سے ایک رسول کو مبعوث فرمایا جو ان پر اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور بے شک وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' [الجمعۃ: ۱، ۲]

امیین سے عربوں کی جاہل قوم مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور یوشع علیہ السلام کی قوم جاہل اور حقیر نہ تھی اور نہ بنی اسرائیل کو ان سے غیرت دلائی گئی ہے، پس بشارات سوائے قوم عرب کے کسی قوم پر صادق نہیں آتی۔

باقی بے عقل قوم اور شعیب جاہل سے یونانیین مراد لینا (یہ لفظ عربی نسخوں میں ہے) کہ پولوس کے رسالہ رومیہ سے مترشح ہوتا ہے صحیح نہیں اس لئے کہ یونانیین تو اس زمانہ میں علوم و فنون کے اعتبار سے تمام عالم پر فائق تھے وہ شعیب جاہل اور بے عقل قوم کا کیسے مصداق ہو سکتے ہیں۔ سقراط، بقراط، فیسا غورس، افلاطون، جالینوس، ارسطا طالیس، ارشمیدس، بیناس، اقلیدس یہ سب حضرت مسیح علیہ السلام کی تشریف آوری اور بعثت سے کئی صدی قبل تمام علوم و فنون کے ماہر اور احکام تورات کے پورے عالم تھے۔

بشارت نمبر ۵:۔از۔تورات پیدائش باب ۴۹ آیت ۱،۲

[۱] ''اور یعقوب نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور کہا کہ اپنے کو جمع کرو تا کہ میں اس کی جو پچھلے دنوں تم پر بیتے گا تمہیں خبر دوں [۲] '' اے یعقوب کے بیٹو! اپنے کو اکٹھا کرو اور سنو اور اپنے باپ اسرائیل کی سنو۔'' اور پھر آیت دہم [۱۰] میں ہے: ''یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک کہ شیلا نہ آوے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔''

آیات مسطورہ میں اس امر کی خبر دی گئی ہے کہ جب تک کہ اخیر زمانہ میں شیلا کا ظہور نہ ہو اس وقت تک یہوداہ کی نسل سے حکومت و ریاست منقطع نہ ہوگا۔

اہل اسلام کے نزدیک شیلا ، آنحضرت ﷺ کا لقب ہے، نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا لقب قرار دیتے ہیں مگر نصاریٰ کا یہ خیال صحیح نہیں اس لئے کہ اس عبارت کا سیاق اس کو مقتضی ہے کہ شیلا کو نسل یہوداہ سے خارج مانا جائے اس لئے کہ شیلا کے ظہور سے نسل یہوداہ کی حکومت و ریاست کا انقطاع جب ہی مقصود ہو سکتا ہے کہ جب شیلا نسل یہوداہ سے نہ ہو ورنہ شیلا نسل یہوداہ سے ہو تو اس کا ظہور تو بقائے حکومتِ یہوداہ کا باعث ہوگا نہ کہ انقطاع حکومت یہوداہ کا۔

اور بائیبل کے ابواب بلکہ انجیل متی کے پہلے ہی صفحہ پر ذرا غور کرنے سے یہ بات بخوبی منکشف ہو سکتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نسل یہوداہ سے خارج نہیں اس لئے کہ آپ حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور حضرت داؤد علیہ السلام بالاجماع یہوداہ کی نسل سے ہیں۔لہذا شیلا کا مصداق وہی نبی ہو سکتا ہے جو نسل یہوداہ سے خارج ہو اور اس کا ظہور اخیر زمانہ میں ہو جیسا کہ آیت اوّل کے اس جملے سے ظاہر ہے:۔

''تا کہ میں اس کی جو پچھلے دنوں میں تم پر بیتے گا تمہیں خبر دوں۔''

اور یہ دونوں امر آنحضرت ﷺ پر ہی صادق آسکتے ہیں کہ آپ یہوداہ کی نسل سے بھی نہ تھے بلکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے اور آپ کا ظہور بھی خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے اخیر زمانہ میں ہوا۔ اور آپ کی بعثت کے بعد یہواداہ کی نسل میں جو کچھ حکومت وریاست تھی وہ سب جاتی رہی، قرائے بنی نضیر اور خیبر سب آپ ہی کے زمانہ میں فتح ہو گئے اور اس جملہ میں کہ: ''قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی'' عموم بعثت کی طرف اشارہ ہے:

[کما قال اللہ تعالیٰ: [قُلْ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا]

''اے نبی کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں'' [الاعراف:۱۵۸]

بخلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ ان کی بعثت صرف بنی اسرائیل کیلئے تھی [کما قال اللہ تعالیٰ [وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ] نیز مختلف قومیں اور مختلف لوگ حضور پر نور ہی کے پاس اکٹھے ہوئے اور آپ کے دین میں فوج در فوج اور جوق در جوق داخل ہوئے۔ یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں ہوئی اور گیارہویں آیت میں ہے:۔

''وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے باندھے گا۔''

سودارج النبوۃ میں ہے کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے خیبر فتح فرمایا تو وہاں ایک سیاہ حمار دیکھا، آپ نے اس سے کلام فرمایا اور اس کا نام دریافت فرمایا، اس نے جواب دیا کہ میرا نام یزید بن شہاب ہے حق تعالیٰ نے میری دادی کی نسل سے ساٹھ حمار پیدا کئے جن پر سوائے نبی کے کسی نے سواری نہیں کی اور مجھ کو امید ہے کہ آپ مجھ پر سواری فرمائیں گے میری دادی کی نسل سے میرے سوا اب کوئی باقی نہیں رہا اور انبیاء علیہم السلام میں سے آپ کے سوا کوئی باقی نہیں رہا، آنحضرت ﷺ نے اس پر سواری فرمائی اور وہ حمار آپ کی وفات کے بعد صدمۂ وصال سے ایک کنویں میں گر کر مر گیا۔''

اور اسی گیارہویں آیت میں ہے: ''وہ اپنا لباس مئے میں اور اپنی پوشاک آب انگور میں دھووے گا۔'' اس آیت میں اصل عبرانی سے ترجمہ کرنے میں کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ ''وہ اپنا لباس مئے سے اور اپنی پوشاک آب انگور سے دھووے گا۔'' یعنی اس نبی آخر الزمان کی شریعت میں شراب حرام کی جائے گی اور جس طرح دیگر نجاست سے کپڑوں کے دھونے کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح شراب سے بھی کپڑوں کے پاک رکھنے اور دھونے کا حکم دیا جائے گا۔''

اور عجب نہیں کہ اس سے محبت الٰہی کی شراب میں استغراق مراد ہو نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ارفع ہے آپ تو سید الاولین والآخرین بلا فخر ہیں۔ آپ کی اُمت میں ہزارہا بلکہ لاکھوں ایسے گزر گئے کہ عشق الٰہی اور محبت ربانی میں کوئی اُمت ان کی ہمسری نہیں کرسکتی۔

اور پھر بارہویں آیت میں ہے: ''اس کی آنکھیں مئے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔ اس آیت میں اسی نبی مبشر کے حلیہ مبارک کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی آنکھیں سرخ اور دانت سفید ہوں گے چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ تجارت کیلئے بصریٰ تشریف لے گئے تو ایک سایہ دار درخت کے قریب قیام فرمایا جہاں نسطورا راہب کا تکیہ تھا نسطورا راہب نے میسرہ غلام سے جو آپ کے ہمراہ تھا یہ دریافت کیا کہ آپ کی آنکھوں میں سرخی ہے؟ میسرہ نے یہ جواب دیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ سرخی رہتی ہے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ اس وقت نسطورا راہب نے یہ کہا کہ یہ آخری پیغمبر ہیں کاش میں ان کی بعثت کا زمانہ پاؤں۔''

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ مصر میں لکھا ہے کہ جب حضرت

حاطب ﷺ آنحضرت ﷺ کا والا نامہ سلطان مقوقس شاہ مصر کے نام لے کر گئے تو شاہ مصر نے نبی آخر الزمان کی علامت بیان کرتے ہوئے یہ کہا کہ: سرخی ان کی آنکھوں سے جدا نہیں ہوتی، حضرت حاطب ﷺ نے فرمایا کہ: بے شک آپ ﷺ کی چشمان مبارک سے سرخی کبھی جدا نہیں ہوتی، چنانچہ آپ ﷺ کے شمائل میں اشکا العینین کا لفظ آیا ہے [اَشْکَلُ] ایسی آنکھ والے کو کہتے ہیں کہ جس کی سفیدی میں سرخ ڈورے ہوں۔ اور بعض روایات میں [اَدْعَجْ] کا لفظ آیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس کی آنکھ میں سیاہی ہو۔ سو دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، حسن و جمال کیلئے سرخی و سیاہی دونوں درکار ہیں محض سرخی اور محض سیاہی سے اتنا حسن پیدا نہیں ہوتا جتنا کہ سرخی اور سیاہی سے مل کر پیدا ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر ۶:۔ از۔ زبور سیدنا داؤد علیہ السلام باب ۴۵﴾

''[۱] میرے دل میں اچھا مضمون جوش مارتا ہے میں ان چیزوں کو جو میں نے بادشاہ کے حق میں بنائی ہیں بیان کرتا ہوں میری زبان ماہر لکھنے والے کا قلم ہے [۲] تو حسن میں بنی آدم سے کہیں زیادہ ہے، تیرے ہونٹوں میں لطف بٹھایا گیا ہے اسی لئے خدا نے تجھ کو ابد تک مبارک کیا [۳] اے پہلوان اپنی تلوار کو جو تیری حشمت اور بزرگواری ہے حمائل کر کے اپنی ران پر لٹکا [۴] اور اپنی بزرگواری سے سوار ہو اور سچائی اور ملامت اور صداقت کے واسطے اقبال مندی کیلئے آگے بڑھ، اور تیرا داہنا ہاتھ تجھ کو ہیبت کا کام سکھائے گا [۵] تیرے تیر تیز ہیں، لوگ تیرے نیچے گر پڑتے ہیں، وہ بادشاہ کہ دشمنوں کے دل میں لگ جاتے ہیں [۶] تیرا تخت اے خدا ابد الآباد ہے، تیری سلطنت کا عصا، راستی کا عصا ہے [۷] تو صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہے، اس سبب سے تیرے خدا نے تجھ کو خوشی کے تیل

سے تیرے مصاحبوں سے زیادہ مسح کیا[۸] تیرے سارے لباس سے مُر اور عود اور تج کی خوشبو آتی ہے کہ جن سے ہاتھی دانت کے محلوں کے درمیان تجھ کو خوش کیا ہے[۹] بادشاہوں کی بیٹیاں تیری عزت والیوں میں ہیں بلکہ اوفیر کے سونے سے آراستہ ہو کے تیرے داہنے ہاتھ کھڑی ہے۔"

اور بارہویں آیت میں ہے: [۱۲] "اور صور کی بیٹی ہدیے لادے گی، قوم کے دولت مند تیری خوشامد کریں گے۔"

اور سولہویں آیت میں ہے: "[۱۶] تیرے بیٹے باپ دادوں کے قائمقام ہوں گے تو انہیں تمام زمین کا سردار مقرر کرے گا[۱۷] میں ساری پشتوں کو تیرا نام دلاؤں گا اور سارے لوگ ابدالآباد تک تیری ستائش کریں گے۔" (انتہی)

تمام اہل کتاب کے نزدیک یہ امر مسلّم ہے کہ اس زبور میں حضرت سیدنا داوٗد علیہ السلام ایک عظیم الشان والشوکت رسول کی بشارت دے رہے ہیں اور فرطِ محبت میں اس کو مخاطب بنا کر اس کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں اور یہ بتلا رہے ہیں کہ وہ نبی جب ظاہر ہوگا تو ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا اور اوصاف حسب ذیل ہیں:۔

(۱) بادشاہ یعنی سب سے اعلیٰ اور افضل ہونا (۲) حسین ہونا (۳) ہونٹوں میں لطف کا ہونا یعنی شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا (۴) مبارک الی الدہر ہونا (۵) پہلوان یعنی قوی ہونا (۶) شمشیر بند ہونا (۷) صاحب حق وصداقت ہونا (۸) اقبال مند ہونا (۹) اس کے دائیں ہاتھ سے کسی عجیب وغریب کرشمے کا ظاہر ہونا (۱۰) تیر انداز ہونا (۱۱) لوگوں کا اس کے نیچے گر پڑنا یعنی خلق اللہ اس کے تابع ہونا (۱۲) تخت کا ابدالآباد تک رہنا یعنی اسکی شریعت اور حکومت اسلام کا تا قیام قیامت باقی رہنا (۱۳) عصائے سلطنت کا عصا

ئے راستی ہونا (۱۴) صداقت کا دوست اور شرارت کا دشمن ہونا (۱۵) اس کے کپڑوں سے خوشبو آنا (۱۶) اس کے گھرانے میں بادشاہوں کی بیٹیوں کا آنا (۱۷) ہدایا اور تحائف کا آنا (۱۸) اولاد کا بجائے باپ کے سردار اور حاکم ہونا (۱۹) تمام پشتوں میں قرناً بعد قرن اور نسلاً بعد نسلٍ اس کا ذکر باقی رہنا (۲۰) ابدالآباد تک لوگوں کا اس کی ستائش کرنا۔

اہل اسلام کے نزدیک اس بشارت کا مصداق صادق محمد ﷺ ہیں، یہود کے نزدیک داؤد علیہ السلام کے بعد اب تک کوئی نبی ان صفات کے ساتھ موصوف ہو کر ظاہر نہیں ہوا اور نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ مگر اہل اسلام کا دعویٰ کہ اس بشارت سے آنحضرت ﷺ ہی مراد ہیں یہی حق ہے اس لئے کہ جو اوصاف اس بشارت میں مذکور ہیں وہ صرف نبی ﷺ پر ہی صادق ہیں:۔

۱۔ بادشاہت کا ثبوت آنحضرت ﷺ کیلئے شمس فی نصف النہار سے زائد اجلیٰ اور روشن ہے حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ ﷺ کو دین و دنیا دونوں کی بادشاہی عطا فرمائی۔ احکام خداوندی کو بادشاہوں کی طرح جاری فرمایا۔ جس طرح نصاریٰ کے زعم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہود لعنهم الله تعالى سے مقہور و مجبور تھے۔ نبی اکرم ﷺ مجبور نہ تھے، آپ نے تو یہود کو ان کے قلعوں سے نکال باہر کیا۔

الحاصل نبی اکرم ﷺ دین و دنیا کے بادشاہ تھے تمام انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل و برتر تھے نہ کسی رسول کو قرآن کریم جیسی معجزانہ کتاب عطا کی گئی اور نہ کسی کو آپ ﷺ جیسی کامل و مکمل شریعت عطا کی گئی کہ فلاح دارین اور نجات اور بہبودی کی پوری پوری کفیل ہو جس نے عقائد کو اعمال کی سنگین غلطیوں پر متنبہ کیا ہو، خدا تک پہنچنے کیلئے راستہ ایسا صاف کر دیا ہو کہ چلنے والوں کیلئے کوئی روڑا اٹکا نہ رکھا ہو، تہذیب، اخلاق اور تدبیر منزل سیاست

ملکیہ و مدینہ کے لحاظ سے بھی نہایت کامل و مکمل ہو۔ غرض یہ کہ اس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں ہو، ان تمام محاسن اور خوبیوں کا جامع صرف دین اسلام ہے جس کو آنحضرت ﷺ خدا کے پاس سے لائے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے"

یہ وہ کامل اور مکمل دین ہے کہ اس کے طلوع ہوتے ہی سب ادیان و مذاہب کے چراغ گل ہو گئے۔ پس جس نبی ﷺ کی کتاب تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ سے افضل ہو اور اسکی شریعت تمام شرائع اور ادیان سے بدرجہا برتر اور کامل اور اکمل ہو اور اس کے معجزات بھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات سے بڑھے ہوئے ہوں اور اس کی اُمت بھی تمام اُمتوں سے علم و عمل، اعتقادات، اخلاق، مکارم و شمائل، تہذیب و تمدن، سیاست ملکیہ و مدینہ کے لحاظ سے فائق اور برتر ہو تو اس نبی کے سید الاوّلین والآخرین ﷺ اور بادشاہ دو جہاں ہونے میں کیا کلام اور شبہ ہو سکتا ہے۔؟

۲۔ حسن و جمال میں آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زائد کسی کو حسین اور خوبصورت نہیں دیکھا، گویا کہ آفتاب آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں گھومتا ہے اور جب تبسم فرماتے تو دندان مبارک کی چمک دیواروں پر پڑتی تھی۔"

حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

واحسن منک لم ترقط عینی   واجمل منک لم تلد النسآء

"میری آنکھ نے آپ ﷺ سے زائد حسین نہیں دیکھا اور آپ ﷺ سے زائد جمیل اور خوبصورت عورتوں نے نہیں جنا۔"

خلقت مبرءً من کل عیب   کانک قد خلقت کما تشآء

"آپ ﷺ ہر عیب سے پاک پیدا کئے گئے ہیں، گویا کہ آپ ﷺ حسب منشا پیدا کئے گئے۔"

۳۔ اور آپ ﷺ کا خوبیان اور شیریں زبان اور فصیح اللسان ہونا سب کو تسلیم ہے، آپ کے انفاس قدسیا ور کلمات طیبات اس وقت تک باسانید صحیح وجیدہ محفوظ ہیں جن سے آپ کی فصاحت وبلاغت اور شیریں زبانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

۴۔ اور آپ مبارک الی الدہر بھی ہیں جیسا کہ بشارت دوم میں گزرا، مشرق ومغرب شمال وجنوب میں کروڑ ہا مسلمان نماز میں اور نماز کے بعد اور مختلف اوقات میں:۔

اَللّٰهُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّکَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ .

"اے اللہ برکت نازل فرما محمد ﷺ پر اور محمد ﷺ کی آل پر جیسے آپ نے ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر برکت نازل فرمائی بلاشبہ آپ ستائش اور بڑی بزرگی والے ہیں۔" پڑھتے ہیں اس سے زائد کیا مبارک الی الدہر ہونے کی دلیل ہوسکتی ہے، جس کے لئے دنیا کے ہر گوشہ میں برکت کی دعا مانگی جاتی ہے۔

۵۔ قوت میں آپ کا یہ حال تھا کہ رکانہ پہلوان کو کہ جو قوت میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا ایک روز آنحضرت ﷺ سے جنگل میں مل گیا اور یہ کہا کہ آپ مجھ کو پچھاڑ دیں تو میں آپ کو نبی برحق جانوں، آنحضرت ﷺ نے اس کو پچھاڑ دیا، اس نے دوبارہ لڑنے کیلئے کہا آپ نے اس کو دوبارہ بھی پچھاڑ دیا، اس کو بہت تعجب ہوا آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا اگر تو اللہ سے ڈرے اور میری اتباع کرے تو اس سے زائد چیز دکھلاؤں اس نے پوچھا کہ اس سے زائد کیا

عجیب ہے؟ آپ نے ایک درخت کو بلایا آپ کے بلاتے ہی آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا بعدازاں یہ فرمایا کہ لوٹ جا سو وہ درخت یہ سن کر اپنی جگہ سے لوٹ گیا۔

۶۔ اور آپ ﷺ کا شمشیر بند اور صاحب جہاد ہونا بھی مسلم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ شمشیر بند تھے اور نہ صاحب جہاد اور بقول نصاریٰ ان میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو یہود سے بچا سکے۔

۷۔ اور آپ ﷺ صاحب حق و صداقت بھی تھے۔ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى شَانُهٗ :۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

’’اللہ ہی نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو ناگوار گزرے۔‘‘ [التوبہ:۳۳]

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

’’آپ شاعر و مجنون نہیں بلکہ حق لے کر آئے ہیں اور پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔‘‘ [الصّٰفّٰت:۳۷]

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

’’اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی پرہیزگار ہیں۔‘‘ [زمر:۳۳]

ایک مرتبہ نضیر بن الحارث نے قریش کو مخاطب بنا کر یہ کہا:۔ قَدْ كَانَ مُحَمَّدٌ فِيْكُمْ غُلَامًا حَدَثًا اَرْجَاكُمْ فِيْكُمْ وَاَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا وَاَعْظَمُكُمْ اَمَانَةً حَتّٰى اِذَا رَاَيْتُمْ فِيْ صُدْغَيْهِ الشَّيْبَ وَجَاءَكُمْ اَقُلْتُمْ اِنَّهٗ سَاحِرٌ وَاللّٰهِ بِسَاحِرٍ ۔ ’’

محمد ﷺ تم میں نوجوان تھے، سب سے زائد پسندیدہ، سب سے زائد سچے، سب سے زائد امین، لیکن جب تم نے ان کے جانبین راس میں بڑھاپا دیکھا اور وہ تمہارے پاس یہ دین حق لے کر آئے تو تم ان کو ساحر اور جادوگر کہنے لگے، ہرگز نہیں، خدا کی قسم وہ ساحر نہیں۔"

اور ہرقل شاہ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم ﷺ کے متعلق دریافت کیا کہ تم نے کبھی اس کو متہم بالکذب کیا ہے تو اس پر ابوسفیان نے یہ جواب دیا کہ ہم نے ان سے کبھی کوئی کذب نہیں دیکھا۔

۸۔ اور اقبال مند ہونا بھی ظاہر ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے جیسا آپ کو اقبال عطا فرمایا ایسا اقبال آج تک کسی کو نصیب نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔

۹۔ اور دائیں ہاتھ سے مہیب کام اور عجیب وغریب کرشمے ظاہر ہونے سے معجزہ شق قمر کی طرف اشارہ ہے۔ اور علیٰ ہذا جنگ بدر اور جنگ حنین میں ایک مٹھی خاک سے تمام مشرکین کو خیرہ کر دینا یہ بھی آپ کے دائیں ہاتھ کا مہیب کام تھا۔

۱۰۔ تیرانداز ہونا بنی اسماعیل علیہ السلام کا مشہور شعار ہے چنانچہ حدیث میں ہے:۔

ارموا بنی اسمٰعیل فان ابا کم کان رامیا .

"اے بنی اسماعیل تیراندازی کیا کرو اس لئے کہ تمہارا باپ تیرانداز تھا۔"

اور دوسری حدیث میں ہے: من تعلم الرمی ثم ترکہ فلیس منا ،

"جو تیراندازی سیکھ کر چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔"

۱۱۔ اور لوگوں کا آپ کے نیچے گرنا یعنی خلق اللہ کا آپ کے تابع ہونا، یہ بھی اظہر من الشمس ہے، چند ہی روز میں ہزاروں اسلام کے حلقہ بگوش بن گئے۔

کماقال اللہ تعالیٰ:۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ ۝ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۝ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ۝

"جب اللہ کی نصرت اور فتح آ چکی، اور آپ نے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا، تو اپنے رب کی تسبیح و تحمید کیجئے اور استغفار پڑھیے بے شک اللہ بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے۔" [نصر:۱۔۳]

۱۲۔۱۳:۔ اور آپ کی شریعت ابدالآباد تک رہے گی چنانچہ قرآن کریم حسب وعدہ الٰہی:۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

"بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔" [الحجر:۹]

تیرہ صدی سے بالکل محفوظ چلا آتا ہے، بحمد اللہ اب تک اس کے ایک نقطہ اور ایک شوشہ میں یعنی سرِ مو تفاوت نہیں آیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ تا قیام قیامت اسی طرح رہے گا اور یہود و نصاریٰ کو اپنی تورات اور انجیل کا حال خوب معلوم ہے لکھنے کی حاجت نہیں اور آپ کی سلطنت کا عصا راستی اور صداقت کا عصا ہے ہمیشہ اس سے احقاق حق اور ابطال باطل ہوتا رہتا ہے۔

۱۴۔ اور آپ ﷺ صداقت کے دوست اور شرارت کے دشمن تھے، کما قال اللہ جل جلالہ

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۝

"بے شک تمہارے پاس تم میں سے ایسے رسول آگئے ہیں کہ جن پر تمہاری تکلیف شاق ہے تمہاری بھلائی کیلئے حریص ہیں مومنین پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔" [التوبہ:128]

يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ۔

''اے نبی کریم ﷺ کفار اور منافقین سے جنگ کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔'' [التحریم:۹]

اور آپ ﷺ کی اُمت کے اوصاف یہ ہیں: اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ''کافروں پر بہت سخت اور آپس میں مہربان۔''

اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ ''مومنوں پر نرم اور کافروں پر سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی بالکل پرواہ نہ کریں گے۔'' [المائدہ:۵۴]

اور عجب نہیں کہ شرارت سے ابوجہل مراد ہو جو کہ سرتاپا شرارت تھا اور صداقت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہوں جو کہ سرتاپا صدق وصداقت تھے اور بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے اہل تھے کہ ان کو خلیل وصدیق یعنی دوست بنایا جائے۔

۱۵۔ اور آپ ﷺ کے کپڑوں سے خوشبو بھی آیا کرتی تھی حتیٰ کہ ایک عورت نے آپ کا پسینہ مبارک اس لئے جمع کیا تاکہ دلہن کے کپڑوں کو اس سے معطر کرے۔

۱۶۔ اور قرن اوّل میں بہت سی شہزادیاں مسلمانوں کی خادم بنیں ہیں چنانچہ شہر بانو یزدجرد شاہ کسریٰ کی بیٹی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھی۔

۱۷۔ نجاشی شاہ حبشہ اور منذر بن ساویٰ شاہ بحرین اور شاہِ عمان اور بہت سے امیر وکبیر آپ پر ایمان لائے اور آپ کے حلقہ بگوش بنے اور آپ ﷺ کی خدمت میں سلاطین اور امراء نے ہدایا بھیج کر فخر وسرفرازی حاصل کی۔ چنانچہ مقوقس شاہ قبط نے آپ کی خدمت میں تین باندیاں اور حبشی غلام اور ایک سفید خچر اور ایک سفید حمار اور ایک گھوڑا اور کچھ کپڑے بطور ہدیہ ارسال کئے۔

۱۸۔ اور آپ ﷺ کے بعد قریش میں خلافت رہی، آپ کی اولاد میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد میں صدہا خلیفہ اور حکمران ہوئے حجاز و یمن، مصر و شام وغیرہ میں حکومت و سلطنت پر فائز رہے اور قیامت کے قریب امام مہدی کا ظہور ہوگا جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے اور تمام روئے زمین کے خلیفہ ہوں گے۔

۱۹۔۲۰:۔ اور آپ ﷺ کی ستائش اور ذکر خیر بھی ابدالآباد تک رہے گا، ہرا ذان میں اَشْهَدُ اَلَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ روزانہ پانچ مرتبہ کروڑوں مسلمان پکارتے ہیں، کوئی واعظ اور خطبہ ایسا نہیں کہ جس میں آپ کا نام پاک محمد ﷺ نہ لیا جاتا ہو۔ محمد ﷺ اور احمد ﷺ کے معنے ستودہ کے ہیں، اس بشارت کے شروع میں یا احمد کا لفظ صراحتاً مذکور تھا مگر حسد کی وجہ سے نکال دیا گیا مگر تاہم یہ اوصاف تو سوائے محمد ﷺ کے کسی پر صادق نہیں آتے۔ نصاریٰ کے زعم واعتقاد پر تو حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام کسی طرح اس بشارت کا مصداق نہیں ہوسکتے اس لئے نصاریٰ صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کے ترپنویں (۵۳) باب کو حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت قرار دیتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

''ہمارے پیغام پر کون اعتقاد اور خداوند کا ہاتھ کس پر ظاہر ہوا اس کے ڈیل ڈول کی کچھ خوبی نہ تھی اور نہ کچھ رونق کہ ہم اس پر نگاہ کریں اور کوئی نمائش بھی نہیں کہ ہم اس کے مشتاق ہوں اور آدمیوں میں نہایت ذلیل وحقیر تھا۔''

اور پھر آیت ۵ میں ہے: ''وہ ہمارے گناہوں کے سبب گھائل کیا گیا اور ہماری بدکاریوں کے باعث کچلا گیا۔''

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ! جب نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے تھے تو وہ اوصاف زبور کا جو بالکل اس کی ضد ہیں کیسے مصداق ہوسکتے ہیں؟ ہمارے اعتقاد میں

منجملہ دیگر تحریفات کے صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام کا ترپنواں (۵۳) باب قطعاً و یقیناً الحاقی اور اختراعی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام حاشا ثم حاشا ہرگز ایسے نہ تھے وہ تو دنیا اور آخرت میں وجیہ (آبرو اور عزت والے) اور خدا کے مقربین میں سے تھے لیکن بایں ہمہ اس بشارت کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں اس لئے کہ نہ آپ شمشیر بند اور نہ تیر انداز تھے اور نہ مجاہد تھے اور نہ آپ کی شریعت دائمی ہے اور نہ آپ کی بعثت عام تھی اور نہ آپ کے گھرانہ میں کوئی شہزادی آئی کہ جو آپ کی بیوی یا لونڈی ہوتی اس لئے کہ آپ نے کوئی نکاح نہیں فرمایا نیز آپ کے کوئی باپ دادا نہ تھے، آپ تو بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر ۷:۔از۔زبور سیدنا داوٗد علیہ السلام باب ۱۴۹ صفحہ ۸۱﴾

''[۱] خداوند کی ستائش کرو، خداوند کا ایک نیا گیت گاؤ،اور اس طرح کی مدح پاک لوگوں کی جماعت میں [۲] اسرائیل اپنے بنانے والے سے شادمان ہوئے، بنی صیہون اپنے بادشاہ کے سبب خوشی کریں [۳] وہ اس کے نام کی ستائش کرتے ہوئے ناچیں وہ طبلہ اور بربط بجاتے ہوئے اس کی ثناءخوانی کریں [۴] کیونکہ خداوند اپنے لوگوں سے خوش ہوتا ہے وہ حلیموں کو نجات کی زینت بخشتا ہے [۵] پاک لوگ اپنی بزرگواری پر فخر کریں اور اپنے بستروں پر پڑے ہوئے بلند آواز سے گایا کریں [۶] خدا کی ستائش ان کی زبانوں پر ہو، دین اور ایک دو دھاری تلوار ان کے ہاتھوں میں ہو [۷] تا کہ غیر اُمتوں سے انتقام لیویں اور لوگوں کو سزا دیویں [۸] ان کے بادشاہوں کو زنجیروں سے اور ان کے امیروں کو لوہے کی بیڑیوں سے جکڑیں [۹] تا کہ ان پر وہ فتویٰ جو لکھا ہوا ہے جاری کریں کہ اس کے باپ لوگوں کی یہی شوکت ہے کہ خداوند کی ستائش کرو۔''

اس بشارت میں نبی مبشر کو بادشاہ کے لفظ سے اور اس کے مطیعین کو صالحین اور پاک لوگوں سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی نبی موعود بادشاہ ہوگا اور اس کی شمشیر زنی موافق خوشنودی حق اور رب بمقتضائے غضب الٰہی کافروں کے حق میں ہوگی اور اس کے اصحاب اور احباب اس کے ساتھ ہو کر کافروں سے جہاد و قتال کریں گے۔

بعد ازاں مطیعین کے کچھ اوصاف بیان کئے گئے ہیں جو من اوّلھا الٰی اٰخرہ امت محمدیہ ﷺ پر پورے منطبق ہیں یہی وہ امت ہے کہ جو اپنے بستروں پر بھی اللہ کو یاد کرتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ :۔

یذکرون اللہ قیاماً وقعودًا وعلی جنوبھم۔ "وہ اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے یاد کرتے ہیں۔" [آل عمران:۱۹۱]

یہی وہ امت ہے کہ نماز میں اور جہاد میں اور ہر اذان میں اور عید الفطر اور عید النحر اور ایام تشریق اور ایام حج اور منیٰ اور مزدلفہ اور عرفات میں اللہ کو بلند آواز پکارتی ہے بخلاف یہود و نصاریٰ کے کہ یہود تو بوق اور نصاریٰ ناقوس بجاتے ہیں، بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور اللہ کو یاد کرنا صرف رسول اللہ ﷺ کی امت کا شعار ہے۔ اور مہاجرین و انصاریٰ ؓ ہی کی دو دھاری تلواروں نے روم و شام و دیگر ممالک کو فتح کیا اور بڑے بڑے بادشاہوں اور امیروں کو قید کیا ہے اور اہل کتاب کے نزدیک اس بشارت کا مصداق نہ سلیمان علیہ السلام ہو سکتے ہیں اخیر عمر میں مرتد اور بت پرست ہو گئے تھے اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے اعتقاد کے مطابق اس بشارت کا مصداق ہو سکتے ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک تو حضرت مسیح علیہ السلام خود ہی مقتول و مصلوب ہوئے اور علیٰ ہذا آپ کے اکثر حواریین گرفتار کئے گئے وہ دوسرے بادشاہوں اور امیروں کو کہاں قید کرتے اور بشارت میں یہ مذکور ہے کہ وہ شخص

موعود بادشاہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بادشاہ نہ تھے اور معنوی بادشاہت ہر نبی کو حاصل رہی اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت۔

رہا کافروں سے جہاد وقتال کرنا اور ان کو گرفتار کرنا سو یہ عین عبادت ہے نہ کہ قابلِ اعتراض جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کا جہاد کرنا اور علی ہذا اسلیمان علیہ السلام اور ان کے صحابہ کا جہاد فرمانا تمام یہود ونصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ اس جز کا مصداق حضرت مسیح نہیں ہو سکتے اس لئے کہ زبور مذکور کا مضمون بآواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ آنے والا نبی بادشاہ ہوگا اور اپنے اصحاب کے ساتھ سلاطین کفار سے جہاد وقتال کرے گا اور بڑے بڑے جبارین اور متکبرین مقتول اور اسیر اور گرفتار ہوں گے اور آپ کے اصحاب تکبیر کہتے ہوئے آپ کے ساتھ ہوں گے۔

بتکبیر مراداں شمشیر زن   کہ مردو غاراشار ندزن

اور یہ تمام امور آنحضرت ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر ۸: ۔از۔ زبور باب ۷۲ آیت اوّل﴾

۱۔ اے خدا بادشاہ کو اپنی عدالتیں عطا کر اور بادشاہ کے بیٹے کو اپنی صداقت دے۔

۲۔ وہ تیرے لوگوں میں صداقت سے حکم کریگا اور تیرے مسکینوں میں عدالت سے۔

۳۔ پہاڑ لوگوں کیلئے سلامتی ظاہر کریں گے اور ٹیلے بھی صداقت سے۔

۴۔ وہ قوم کے مسکینوں کا انصاف کرے گا اور محتاجوں کے فرزندوں کو بچائے گا اور ظالم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا۔

۵۔ جب تک سورج اور چاند باقی رہیں گے ساری پشتوں کے لوگ تجھ سے ڈرا کرینگے۔

۶۔ وہ بارش کی مانند جو کاٹے ہوئے گھاس پر پڑے نازل ہوگا اور پھوہی کے مہینہ کی طرح جو زمین کو سراب کرتا ہے۔

۷۔ اس کے عصر میں جب تک چاند باقی رہے گا صادق چلیں گے اور سلامتی فراواں ہوگی۔

۸۔ سمندر سے سمندر تک اور دریا سے انتہاء زمین تک اس کا حکم جاری ہوگا۔

۹۔ وہ جو بیابان کے باشندے ہیں اس کے سامنے جھکیں گے اور اس کے دشمن ماٹی چاٹیں گے۔

۱۰۔ ترسیس اور جزیروں کے سلاطین نذریں لائیں گے اور سبا اور سینا کے بادشاہ ہدیے گزاریں گے۔

۱۱۔ سارے بادشاہ اس کے حضور سجدہ کریں گے ساری گروہیں اس کی بندگی کریں گی

۱۲۔ کیونکہ وہ دہائی دینے والا محتاج کو اور مسکین کو اور ان کو جن کا کوئی مددگار نہ ہوگا چھڑائے گا۔

۱۳۔ وہ مسکین اور محتاج پر ترس کھائے گا اور محتاجوں کی جان بچائے گا۔

۱۴۔ وہ ان کی جانوں کو ظلم اور غضب سے بچائے گا ان کا خون اس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔

۱۵۔ وہ جیتا رہے گا اور سبا کا سونا اس کو دیا جائے گا اس کے حق میں سدا دعا ہوگی، روز اس کو مبارکباد کہی جائے گی۔

۱۶۔ اناج کی کثرت سرزمین میں پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہوگی اس کا پھل لبنان کے درخت کی طرح جھڑ جھڑائے گا اور شہر کے لوگ میدان کی گھاس کے مانند سر سبز ہوں گے۔

۱۷۔ اس کا نام ابد تک باقی رہے گا جب تک کہ آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج ہوگا لوگ اس کے باعث اپنے تئیں مبارک کہیں گے ساری قومیں اسے مبارکباد دیں گی۔

۱۸۔ خداوند خدا اسرائیل کا جو اکیلا ہی عجائب کام کرتا ہے مبارک ہے۔

۱۹۔ اس کا جلیل نام ابد تک مبارک ہے سارا جہان اس کے جلال سے معمور ہو آمین آمین۔

۲۰۔ داؤد علیہ السلام بن یسی کی دعائیں تمام ہوئیں۔ [۷۲بہتر واں زبور ختم ہوا]

نوٹ:۔ جاننا چاہئے کہ اس زبور میں ایسے پیغمبر کے ظہور کی خبر دی گئی ہے کہ جس کو نبوت و رسالت کے ساتھ من جانب اللہ (۱) بادشاہت اور حکومت بھی حاصل ہو گی (۲) اور اس کا دائرہ سلطنت اتنا وسیع ہوگا کہ برّ و بحر کو شامل ہوگا (۳) اور عدالت اور صداقت کے ساتھ اس کی عدالتیں جاری ہوں گی (۴) مسکینوں اور محتاجوں کو ان کا حق دلائے گا (۵) اور ظالموں کے ٹکڑے ٹکڑے کرے گا (۶) اور اس کے دشمن لرزاں اور ترساں ہوں گے اور سلاطین عالم اس کیلئے ہدیے اور تحفے لائیں گے (۷) اور تمام قبائل اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں گے (۸) ہر طرف سے ہر روز ساری قومیں اس کے حق میں دعا اور مبارکباد کہیں گی (۹) اور ابد تک اس کا نام باقی رہے جب تک آفتاب رہے گا اس کے نام کا رواج رہے گا۔

اہل عقل ایک سرسری نظر سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اوصاف مذکورہ حضرت مسیح علیہ السلام میں نہ تھے بلکہ رسالتمآب خاتمیت جناب سرور عالم محمد رسول اللہ ﷺ میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت کے ساتھ سلیمان اور ذوالقرنین جیسی حکومت عطا فرمائی کہ جس میں

قوموں کے درمیان ایسی عدالت اور صداقت جاری ہوئی کہ دنیا نے نہ ایسی حکومت دیکھی اور نہ سنی، ظالموں سے مظلوموں کا بدلہ لیا گیا اور زمین کو ظلم و غضب سے پاک کر دیا۔ برّ و بحر اور صحراء و بیابان میں آپ کی حکومت پھیلی اور دشمن آپ سے تھرا گئے اور بڑے بڑے سلاطین آپ کے حضور سجدہ میں گر گئے اور ہدیے اور تحفے آپ ﷺ کی بارگاہ میں بھیجے اور آپ ﷺ نے صداقت اور عدالت کرنے کیلئے جہادات و غزوات کئے اور آپ ﷺ کی جاری کردہ صداقت و عدالت کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے صداقت اور عدالت کے علمبرداروں نے حد کمال کو پہنچایا۔

اور ابد تک جب تک چاند اور سورج قائم ہیں آپ ﷺ کا نام مبارک ہر اذان اور نماز اور ہر دعا اور ہر منبر و محراب میں لیا جائے گا بلکہ خطبوں میں آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ آپ ﷺ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نام بھی لیا جائے گا جنہوں نے دنیا میں صداقت و عدالت کا علم بلند کیا۔

اے علماء یہود و نصاریٰ یہ ناچیز تم کو صداقت اور عدالت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہے کہ جس صداقت اور عدالت کے جاری کرنے کا ذکر اس زبور میں ہے خدارا یہ بتلاؤ کہ سوائے محمد رسول اللہ ﷺ کے اور کہاں ظہور ہوا۔ اوصاف مذکورہ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواریین پر انطباق کسی صورت سے ممکن نظر نہیں آتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۹:۔از۔صحیفہ ملاکی علیہ السلام باب سوم آیت اوّل

"دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کرے گا اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں ختنہ کا رسول جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہاں آوے گا، دیکھو وہ یقیناً آوے گا، رب الافواج فرماتا ہے پر اس کے آنے دن کون ٹھہر سکے گا اور جب وہ نمود ہو گا کون ہے جو کھڑا رہے گا۔"

اس بشارت میں ایسے رسول کی آمد وظہور کا ذکر ہے کہ جو صاحب ختان ہو گا اور اسی وجہ سے آپ کی بعثت سے قبل یہود ونصاریٰ کو **رسول الختان** کا انتظار تھا اور قیصر روم بھی اسی پیشگوئی کے مطابق رسول ختان کے ظہور کا منتظر تھا اور صحیح بخاری کی حدیث ہرقل میں مذکور ہے مگر آج کل کے نسخوں میں بجائے ختنہ رسول کے عہد کا رسول مذکور ہے لیکن اس صورت میں بھی عہد سے ختنہ ہی کا عہد مراد ہے جیسا کہ پیدائش کے باب ہفدہم کی آیت دہم سے معلوم ہوتا ہے:۔"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے جسے تم یاد رکھو سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو اور یہ اس عہد کا نشان ہو گا جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۱۰:۔از۔صحیفہ حبقوق علیہ السلام باب ۳ آیت ۳

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی اس ہاتھ سے کرنیں نکلیں۔" (انتہیٰ)

یہ بشارت سرور عالم ﷺ کے حق میں نہایت ہی ظاہر ہے سوائے آنحضرت ﷺ

کے اور کون پیغمبر فاران سے مبعوث ہوا اور زمین اس کی حمد سے معمور ہوئی ہو چنانچہ ہر دوست اور دشمن کی زبان پر آپ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ ہے اور ایک قدیم عربی نسخہ میں یہ لفظ ہیں:۔ واتلأت الارض من تمحید احمد ''تمام زمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کی حمد سے بھر گئی۔''

مگر حاسدین نے اس جملہ کا رہنا گوارا نہ کیا اور بعد کی اشاعت میں اس جملہ کو صحیفہ مذکورہ سے علیحدہ کر دیا اور علیٰ ہذا سارا عالم بھی آپ ﷺ کے نورِ ہدایت سے جگمگا اٹھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۱۱:۔ از۔ صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۱ آیت ۶، ۷

''خداوند نے مجھے یوں فرمایا جا نگہبان بٹھلا جو کچھ دیکھے سو بتلائے، اس نے سوار دیکھے گھڑ چڑھوں کے جوق دو دو آتے تھے اور گدھوں پر بھی سوار اور اونٹوں پر بھی سوار۔''

اس بشارت میں حضرت شعیاہ علیہ السلام نے دو نبیوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:۔

اوّل: حضرت عیسیٰ کی طرف گدھے کی سواری سے ان ہی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ مسیح گدھے پر سوار ہو کر یروشلم (بیت المقدس) داخل ہوتے تھے۔

دوم: نبی اکرم ﷺ کی طرف اونٹ کی سواری سے آنحضرت ﷺ ہی کی طرف اشارہ ہے جو عرب کی خاص اور مشہور سواری ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس وقت اونٹ پر سوار تھے۔ اور پھر آیت نہم میں بابل کے سقوط یعنی اس کے گرنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بابل کا سقوط خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہوا حضرت مسیح علیہ السلام اور حواریین کے زمانہ میں بابل کا سقوط نہیں ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۱۲:۔از۔صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۱ آیت ۱۶، ۱۷

اس باب میں عرب کی بابت الہامی کلام کا ذکر ہے چنانچہ آیت ۱۶ میں ہے:۔

''خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا ہنوز ایک برس ہاں مزدور کی سی ایک ٹھیک برس میں قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی[۱۶] اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا[۱۷]''

چنانچہ ٹھیک ہجرت کے ایک سال بعد جنگ بدر میں بنی قیدار یعنی قریش کی ساری حشمت جاتی رہی، ستر سردار مارے گئے اور ستر قید ہوئے اور بہت سے زخمی ہوئے اور بنی قیدار کا بنی اسمٰعیل سے ہونا تو تورات وغیرہ اور تاریخ سے ثابت ہے اور علماء نصاریٰ کے نزدیک مسلّم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۱۳:۔از صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۴ آیت ۲۳

''اور چاند مضطرب ہوگا اور سورج شرمندہ کہ جس وقت رب الافواج کوہ صیہون پر اور یروشلم میں اپنے بزرگوں کے گروہ کے آگے حشمت کے ساتھ سلطنت کرے گا۔''

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے نہایت حشمت کے ساتھ سلطنت فرمائی اور چاند مضطرب یعنی اپنی اصلی حالت سے متغیر ہوا اور اس کے دو ٹکرے ہو گئے۔ کما قال اللہ تعالیٰ:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ ''قیامت قریب آگئی اور چاند دو ٹکرے ہو گیا۔'' [القمر:۱] اور سورج بھی شرمندہ ہوا چنانچہ غزوۂ خیبر میں اس کو حرکتِ معلوس کرنا پڑی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۱۴:۔از۔صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۲۸ آیت ۱۳

"سو خداوند کا کلام ان سے یہ ہوگا حکم، قانون پر قانون، تھوڑا یہاں تھوڑا وہاں۔"

چنانچہ قرآن عزیز اسی طرح نجماً نجماً نازل ہوا، رہی انجیل سو وہ علماء مسیحین کے نزدیک منزل من اللہ ہی نہیں بلکہ وہ حواریین کی تصنیف ہے اور صحیفہ مذکور کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب موصوف کا منزل من اللہ ہونا ضروری ہے۔اور ہمارے نزدیک جو انجیل حضرت عیسیٰ ں کو دی گئی وہ تمام کتاب ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی، قرآن کریم کی طرح نجماً نجماً نازل نہیں ہوئی، قال اللہ تعالیٰ شانہٗ:۔وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۝ "قرآن کو ہم نے متفرق نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں۔" [بنی اسرائیل:۱۰۶]

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۝۔

"اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا نازل کیا، کافر کہتے ہیں کہ قرآن ایک ہی بار کیوں نہ نازل کیا گیا کہہ دو کہ ہم نے اسی طرح نازل کیا تاکہ آپ کے دل کو مضبوط رکھیں اس لئے ہم نے ٹھہر ٹھہر پڑھ سنایا۔" [الفرقان:۳۲]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر ۱۵:۔ از۔ صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۴۲ آیت اوّل﴾

''دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا۔''

یہ بشارت بھی نبی کریم ﷺ کیلئے صریح ہے اس لئے کہ میرا بندہ یہ ترجمہ عبداللہ کا ہے اور عبداللہ بھی آپ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں ہے:

لما قام عبد الله ''جب عبداللہ کھڑا ہوا''

اور قرآن عزیز میں بکثرت عبداللہ کے لقب سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے: کما قال اللہ تعالیٰ: سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ ۔ وقال تعالیٰ: مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا ۔ ''پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا۔'' ''اس چیز سے جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری۔''

نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نصاریٰ کے اعتقاد میں خدا کے بندے نہیں بلکہ خدا اور معبود ہیں لہذا وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے اور برگزیدہ بعینہٖ ترجمہ مصطفیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کا مشہور و معروف نام ہے اور جس سے میرا جی راضی ہے یہ ترجمہ مرتضیٰ کا ہے کہ جو آنحضرت ﷺ کا ایک نام پاک ہے۔

اور بزعم نصاریٰ اس جملہ کا مصداق یعنی جس سے میرا جی راضی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ ان کے زعم میں مصلوب ومقتول ہوئے اور جو مصلوب ومقتول ہو جائے وہ نصاریٰ کے نزدیک ملعون ہے جیسا کہ گلیتون کے تیسرے خط کے تیرھویں درس سے معلوم ہوتا ہے:۔

''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔''

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے نصاریٰ کے اس زعم باطل کی بنا پر معاذ اللہ خدا ان سے راضی نہیں۔

الحاصل :۔ محمد مصطفیٰ احمد مرتضیٰ ﷺ بے شک خدا کے برگزیدہ بندہ اور رسول ہیں جن سے خدا راضی ہے اور کتب سیر میں آپ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں آپ کا نام نامی مرتضیٰ اور رضی بھی لکھا ہے اور اسی وجہ سے رضی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خاص شعار ہے۔

کما قال اللہ تعالیٰ : لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ . ''البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ اس درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔'' [الفتح:۱۸]

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ۔

''محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔ آپ ان کو رکوع و سجود کرتے اللہ کا فضل اور اللہ کی رضا طلب کرتے دیکھیں گے، صلاح اور تقویٰ کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے یہ ہے ان کی شان کہ جو تورات میں مذکور ہے۔'' [الفتح:۲۹]

اور روح سے مراد وحی الٰہی ہے کہ جس پر ارواح و قلوب کی حیات کا دارومدار ہے،

کما قال اللہ تعالیٰ شانہٗ : وکذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا ۔
''اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی اپنے حکم سے۔''
سوالحمدللہ کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ پر مردہ قلوب کی حیات اور زندگی کیلئے ایک روح یعنی قرآن عظیم کو اتارا جس نے نازل ہوکر مردہ قلوب کو حیات اور بے شمار مریض دلوں کو شفا بخشی۔ کما قال اللہ تعالیٰ شانہٗ : وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۔ ''اور اتارتے ہیں ہم ایسا قرآن کہ جو مومنین کیلئے سراسر شفاء اور رحمت ہے۔''

۵۔ اور مبعوث ہوکر آپ نے باذن الٰہی عدالت کو بھی جاری فرمایا۔ کما قال اللہ جلّ جلالہٗ وعم نوالہ : فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ج وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ج وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ط۔
''پس اسی طرف بلایئے اور اسی پر قائم رہیے جیسا کہ آپ کو حکم کیا گیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ فرمایئے اور یہ کہیئے کہ میں ایمان لایا اللہ کی اتاری ہوئی کتاب پر اور حکم کیا گیا ہوں کہ تمہارے درمیان عدل وانصاف کروں۔''[شوریٰ:۱۵]
اور چونکہ عدالت کا جاری کرنا شوکت کو مقتضی ہے اس لئے یہ وصف بھی علی زعم نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صادق نہیں اس لئے کہ نصاریٰ کے نزدیک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اتنی قوت بھی نہ تھی کہ جو اپنے کو قتل وصلب سے بچا سکتے شوکت تو درکنار۔

۶۔ پھر باب مذکور کی دوسری آیت میں ہے کہ: ''وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا بلند نہ کرے گا اور اپنی آواز کو بازاروں میں نہ سنائے گا۔ یہ جملہ بھی نبی کریم ﷺ پر پوری طرح صادق آتا ہے چنانچہ صحیح بخاری کے باب کراہیۃ فی الاسواق میں عطا بن یسار سے روایت

ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے مل کر یہ دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف جو تورات میں مذکور ہیں بیان فرمایئے ، جواب میں عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ نے بہت سے اوصاف ذکر فرمائے منجملہ ان کے یہ فرمایا: لیس بفظ لا غیظ ولا سحاب بالاسواق۔

۷۔ اور باب مذکور کی تیسری آیت میں ہے: ''وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے یعنی وہ نبی صاحب حکومت اور صاحب عدالت ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے یہاں حکومت کا نام بھی نہ تھا، نہ کافروں سے جہاد کیا اور نہ مجرموں پر کوئی عدالت جاری کی۔اس کا مصداق تو آنحضرت ﷺ ہی ہو سکتے ہیں اور دائم رہنے سے آنحضرت ﷺ کی شریعت غرّاء کا الی یوم القیامۃ باقی رہنا مراد ہے ۔جس طرح آنخضرت ﷺ کی شریعت اب تک برابر محفوظ ہے اور ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ ہمیشہ رہے گی کوئی اُمت اس بارہ میں اُمت محمدیہ ﷺ کی ہمسری نہیں کر سکتی، کسی اُمت نے بھی اپنے نبی کی شریعت اور اس نبی کے اقوال وافعال کی حفاظت اُمت محمدیہ کے مقابلہ میں عشر عشیر بھی نہیں کی۔اور شریعت کے دائم ہونے سے خاتم الانبیاء ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے شریعت کا دوام اور بقاء الی یوم القیامہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ اس نبی کے بعد اور کوئی نبی نہ بنایا جائے ورنہ اگر اس کے بعد کوئی اور نبی بنایا جائے تو شریعت سابقہ شریعت لاحقہ سے منسوخ ہو جانے کی وجہ سے دائمی نہ رہے گی۔

۸۔ اور باب مذکور کی چوتھی آیت میں ہے: ''اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔'' چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا وصال جب ہوا کہ جب راستی زمین پر قائم ہوگئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے :اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

''آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر

اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کیلئے پسند کر لیا'' کی بشارت نازل ہوگئی اور: اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ''بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی'' اور: اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ پہنچی'' کا وعدہ پورا ہو گیا اور عجب نہیں کہ راستی قائم کرنے سے خلافت صدیقیہ کی جانب اشارہ ہو جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے کہ راستی ترجمہ صدق کا ہے اور صدق کا اطلاق صدیق پر ایسا ہی ہے جیسا کہ عدل کا اطلاق زید پر۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے مرض الوفات میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر اس طرف اشارہ فرما دیا کہ میرے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہونے چاہئیں تا کہ صدق اور راستی قائم ہو۔

۹۔ اور چھٹی آیت میں ہے: ''تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا'' یہ جملہ بھی سوائے نبی کریم ﷺ کے کسی اور پر صادق نہیں آتا اس لئے کہ اللہ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا: وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاس ''اللہ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا'' چنانچہ یہ وعدہ اللہ کا پورا ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دستگیری کی اور حفاظت فرمائی ہاں بزعم نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت نہیں ہوئی۔

۱۰۔ اور پھر چھٹی آیت میں جو نور کا ذکر ہے کہ لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کیلئے تجھے دوں گا۔ اس سے نورِ ہدایت اور نورِ شریعت کا دینا مراد ہے جیسا کہ قرآن عزیز میں متعدد جگہ اس کا ذکر ہے:۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ○

''اے لوگو بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک برہان آ چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف ایک نور (قرآن کریم) نازل کیا۔'' [النساء:۱۷۴]

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

''پس جو لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی مدد کی اور اسی نور کا اتباع کیا جو کہ آپ کے ساتھ نازل کیا گیا یہی لوگ فلاح والے ہیں۔'' [الاعراف:۱۵۷]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۝ وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۝

''اے نبی ہم نے تمہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا اور خدا کی طرف خدا کے حکم سے بلانے والا اور ہدایت کا روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔'' [الاحزاب:۴۵،۴۶]

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۔

''کافر اپنی مونہوں کی پھونک سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں حالانکہ اللہ اپنے نور کو ضرور پورا فرمائیں گے اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔'' [الصف:۸]

۱۱۔ اور آیت ہشتم میں ہے: ''اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا۔''

یہ جملہ بھی حرف بحرف آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہے: اعطیت مالم یعط احد من الانبیآء قبلی ''مجھ کو من جانب اللہ وہ چیزیں عطا کی گئی کہ جو انبیاء سابقین میں سے کسی کو نہیں دی گئیں۔'' مثلاً ختم نبوت و رسالت، عموم بعثت و دعوت، مقام محمود، شفاعت کبریٰ، معراج سبع سمٰوت ان فضائل و مزایا سے سوائے نبی اکرم ﷺ کے اور کسی نبی کو سرفراز نہیں کیا گیا یہ حشمت و شوکت آپ کے سوا کسی کو نہیں دی گئی۔

اور اسی طرح حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو وہ آیات بینات، محاسن اخلاق، فضائل

وشمائل، علوم ومعارف عطا فرمائے کہ جو کسی نبی اور رسول کو نہیں عطا فرمائے خصوصاً قرآن حکیم کا معجزہ تو ایسا روشن معجزہ ہے کہ جس کے سامنے موافق ومخالف سب ہی کی گردنیں خم ہیں: ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ''یہ خدا کا فضل ہے وہ فضل جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

۱۲۔ اور گیارہویں آیت میں ہے: ''بیابان اور اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے۔''

قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک صاحبزادہ کا نام ہے جو آنحضرت ﷺ کے اجداد میں سے ہیں اور اس بیابان سے فاران کا بیابان مراد ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ آئے تھے جیسا کہ کتاب پیدائش باب کے اکیسویں آیت سے ظاہر ہے اور یہ وہی جگہ ہے کہ جہاں اس وقت مکہ معظمہ آباد ہے اور قیدار کے آباد دیہات سے ہی مکہ مراد ہے اسی جگہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد آباد ہوئی۔

الحاصل اس جملہ میں آپ کے مولد یعنی جائے ولادت کی طرف اشارہ ہے یعنی آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ میں پیدا ہوں گے اور آپ کی اُمت اس بیابان میں لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر اور لبیک اللھم لبیک کے نعروں سے اللہ کے جلال کو ظاہر کرے گی، سفر اور حضر میں اللہ کی تکبیر کہنا یہ خاص اُمت محمدیہ کا شعار ہے، اذان اور تکبیر کے نماز ادا کرتے ہیں اور نصاریٰ میں گھنٹہ اور ناقوس بجا کر نماز پڑھی جاتی ہے اور بجائے تکبیر و توحید کے تثلیث اور تجسیم کا نعرہ لگاتے ہیں کہ خدائے مریم کے پیٹ میں جسم پکڑا اور بندوں کی نجات کیلئے صلیب پر لٹکا۔

اوراس بشارت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نبی مبشر قیدار بنی اسمٰعیل کی اولاد سے ہوگا لہذا اس بشارت کا مصداق انبیاء اسرائیل میں سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ وہ سب حضرت اسرائیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں نہ کہ قیدار بن اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے اور سلع مدینہ طیبہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے اس سے آنحضرت ﷺ کے مقامِ ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ واللہ وسبحانہٗ وتعالیٰ اعلم

خلاصہ کلام:۔ یہ کہ یہ کلام معرفت التیام از اوّل تا آخر باٰواز بلند یہ کہہ رہا ہے کہ وہ شخص موعود خدا تعالیٰ کا خاص برگزیدہ اور پسندیدہ بندہ ہوگا اور رعامۂ خلائق کی پیشوائی اور سارے جہان کی بادشاہی اور رہنمائی کا منصب اس کو عنایت ہوگا اور وہ شخص موعود بنی قیدار یعنی بنی اسماعیل علیہ السلام میں سے ہوگا نہ کہ بنی اسرائیل میں سے کیونکہ قیدار بالاتفاق حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے پس اس خبر کا مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں بنی قیدار یعنی اسماعیل علیہ السلام میں سے نہیں۔

اور سارے جہان کی پیشوائی اور رہنمائی کا مذہب بھی ان کو حاصل نہیں ہوا اس لئے کہ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے گمراہ بھیڑوں کی طرف بھیجے گئے یعنی ان کی بعثت عام نہ تھی اور نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی حکومت کی اور نہ قوموں میں کوئی عدالت جاری کی پس اس خبر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیسے مراد ہوسکتے ہیں؟ اس خبر میں جس قدر اوصاف مذکور ہیں وہ سب سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں لہذا وہی مراد ہوسکتے ہیں؟

بشارت نمبر ۱۶:۔از۔صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۵۲ آیت ۱۳

[۱۳] دیکھو میرا بندہ اقبال مند ہوگا وہ بالا اور ستودہ ہوگا اور نہایت بلند ہوگا [۱۴] جس طرح بہتیرے تجھے دیکھ کے دنگ ہوگئے اس کا چہرہ ہر ایک بشر سے زائد اور اس کی پیکر بنی آدم سے زیادہ بگڑ گئی [۱۵] اسی طرح وہ بہت سی قوموں پر چھڑ کے گا اور بادشاہ اس کے آگے اپنا منہ بند کریں گے کیونکہ وہ کچھ دیکھیں جو اُن سے کہا نہ گیا تھا اور جو کچھ انہوں نے نہ سنا تھا وہ دریافت کریں گے۔" [ختم ہوا]

اس بشارت میں میرے بندہ سے آنحضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات مراد ہے جس کے اقبال منداور بالا اور ستودہ ہونے میں ذرہ برابر شک نہیں اور لفظ ستودہ ٹھیک لفظ محمد ﷺ کا ترجمہ ہے:۔ محمد ستودہ متین استوار

اور حق تعالیٰ نے حضور پُر نور کو وہ بلندی اور رفعت عطا کی کہ جو کسی نے کبھی سنی اور نہ دیکھی۔

حضرات نصاریٰ غور کریں کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ بلندی اور اقبال مندی بھی حاصل ہوئی، نصاریٰ کے زعم فاسد کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اقبال مندی اور نہایت بلندی تو کہاں سے حاصل ہوتی نصاریٰ کے عقیدہ صلیب کی بنا پر تو حضرت مسیح علیہ السلام کو وہ ذلت اور اہانت حاصل ہوئی کہ جو دنیا میں کبھی بھی کسی برگزیدہ حق کو نہیں ہوئی، اہل اسلام تو اس توہین وتذلیل سے بری اور بیزار ہیں جو نصاریٰ اپنے مزعوم خدا کیلئے تجویز کرتے ہیں اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا اور ان کے دشمنوں کو ناکام کیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۱۷: از۔ صحیفہ یسعیاہ علیہ السلام باب ۶۰ آیت ۱

دربارۂ مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ

[۱] اٹھ روشن ہو (اے سرزمین مکہ) کے تیری روشنی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا ہے [۲] کہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی قوموں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اس کا جلال تجھ پر نمودار ہوگا [۳] اور قومیں تیری روشنی میں اور شاہان تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ (اب یہاں سے زمین مدینہ کو خطاب ہے) [۴] اپنی آنکھیں اٹھا کر چاروں طرف نگاہ کر وہ سب (لوگ) اکھٹے ہوتے ہیں وہ تجھ پاس ہوتے ہیں تیرے بیٹے دور سے آئیں گے اور تیری بیٹیاں گود میں اٹھائی جائیں گی [۵] تب تو دیکھے گی اور روشن ہوگی ہاں تیرا دل اچھلے گا اور کشادہ ہوگا کیونکہ سمندر کی فروانی تیری طرف پھرے گی اور قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی [۶] اونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکے تیرے گرد بے شمار ہوں گی وہ سب جو سبا کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لبان لائیں گے اور خدا کی تعریفوں کی بشارتیں سنائیں گے [۷] قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی، نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے وہ میری منظوری کے واسطے میرے مذبح پر چڑھائے جائیں گے اور میں اپنی شوکت کے گھر کو بزرگی دوں گا [۸] یہ کون ہیں جو بدلی کی طرح اڑتے آتے ہیں اور کبوتروں کی مانند اپنی کابک کی طرف [۹] یقیناً بحری ممالک میری راہ تکیں گے اور ترسیس (حلب) کے جہاز پہلے آئیں گے تیرے بیٹوں کو ان کے روپے اور سونے سمیت دور سے خداوند ترا خدا اور اسرائیل کے قدوس کے نام کے لئے لائیں کیونکہ اس نے تجھے بزرگی دی ہے [۱۰] اور اجنبیوں کے بیٹے تیری دیواریں اٹھائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے اگرچہ میں

نے اپنے قہر سے تجھے مارا پر اپنی مہربانی سے تجھ پر رحم کروں گا [۱۱] اور تیری پھاٹکیں نت کھلی رہیں گی وہ دن رات کبھی بند نہ ہوویں گی تا کہ قوموں کی دولت تیرے پاس لائیں اور ان کے بادشاہوں کو دھوم دھام کے ساتھ [۱۲] کہ وہ قوم اور وہ مملکت جو تیری خدمت گزاری نہ کرے گی وہ برباد ہو جائے گی ہاں وہ قومیں یک لخت ہلاک ہو جائیں گی [۱۳] لبنان کا جلال تجھ پاس آئے گا سرو اور صنوبر اور دیوار ایک ساتھ تا کہ میں اپنی مقدس مکان کو آراستہ کروں اور اپنے پاؤں کی کرسی کو رونق بخشوں [۱۴] اور تیرے غارت گروں کے بیٹے بھی تیرے آگے ٹھہرے ہوئے آئیں گے یا وہ سب جنہوں نے تیری تحقیر کی تیرے پاؤں پر پڑیں گے اور خداوند کا شہر اسرائیل کے قدوس کا صیہون تیرا نام رکھیں گے [۱۵] اس کے بدلے کہ تو ترک کی گئی اور تجھ سے نفرت ہوئی ایسا کہ کسی آدمی نے تیری طرف گزر بھی نہ کیا میں تجھے شرافت دائمی اور پشت در پشت لوگوں کا سرور بناؤں گی [۱۶] تو قوموں کا دودھ بھی چوس لے گی ہاں بادشاہوں کی چھاتی چوسے گی اور تو جانے گی کہ میں خداوند تیرا بچانے والا اور میں یعقوب کا قادر تیرا چھڑانے والا ہوں [۱۷] میں پیتل کے بدلے سونا لاؤں گا اور لوہے کے بدلے رُوپا اور لکڑی کے بدلے پیتل اور پتھروں کے بدلے لوہا اور میں تیرے حاکموں کا سلامتی اور تیرے عالموں کو صداقت بناؤں گا [۱۸] آگے کو کبھی تیری سرزمین میں ظلم کی آواز نہیں سنی جائے گی اور نہ کہ تیری سرحدوں میں خرابی یا بربادی کی تو اپنی دیواروں کا نام نجات اور اپنے دروازوں کا نام ستودگی رکھے گی [۱۹] آگے تیری روشنی دن کو سورج سے اور رات کو تیری چاندنی چاند سے نہ ہوگی بلکہ خداوند تیرا ابدی نور اور تیرا خدا تیرا جلال ہوگا [۲۰] تیرا سورج پھر کبھی نہیں ڈھلے گا اور تیرے چاند کا زوال نہ ہوگا کیونکہ خداوند تیرا ابدی نور ہوگا اور تیرے ماتم کے دن آخر ہو جائیں گے [۲۱] اور تیرے لوگ سب راستباز ہوں

گے وہ ابد تک سرزمین کے وارث اور میری لگائی ہوئی ٹہنی اور میرے ہاتھ کی کاریگری ٹھہریں گے تاکہ میری بزرگی ظاہر ہو[۲۲] ایک چھوٹے سے ایک ہزار ہوں گے اور ایک حقیر سے ایک قوی گروہ ہو گی میں خداوند اس کے وقت میں یہ سب کچھ جلد کروں گا۔[باب ۶۰ ختم ہوا]

۱۔ اس باب کی پہلی آیت میں مکہ معظمہ کو خطاب ہے اور اس کو روشن اور منور ہونے کی بشارت ہے اور نور اور روشنی سے آنحضرت ﷺ کی نبوت کا نور یا قرآن کا نور مراد ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کو اور قرآن کریم کو نور مبین کہا گیا ہے۔

۲۔ صدہا سال سے جو زمین پر کفر اور شرک اور گمراہی کا ظلمت اور تاریکی چھائی ہوئی تھی وہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اور نور قرآن سے زائل ہو گئی۔

۳۔ امیر و غریب اور بادشاہ اس نور کے طلوع کی تجلی سے چلنے لگے۔

۴۔ اور رفتہ رفتہ وہ نور زمین کے چاروں طرف پھیلنے لگا اور مختلف قبائل اس نور کے گرد اکٹھے ہونے لگے اور تیس برس کے اندر وہ نور دیار روم اور دیار مغرب اور دیار مشرق فارس اور کاشغر اور ختن اور ہندوستان وغیرہ میں پہنچ گیا۔

۵۔ اور لاکھوں مسلمان پیادہ اور سوار امیر اور غریب حج بیت اللہ کیلئے مکہ مکرمہ میں جمع ہونے لگے اور بے شمار اونٹوں اور سانڈنیوں کی قطاریں مکہ معظمہ پہنچنے لگیں اور اونٹوں کی افراد جس قدر عرب اور مکہ معظمہ کے اطراف اور نواح میں ہے وہ زمین کے کسی خطہ میں نہیں

۶۔ اور خداوند ذوالجلال کی حمد و ثنا اور تعریف کرنے والوں کے غول کیغول خانہ کعبہ کے گرد جمع ہونے لگے۔

۷۔ اور روئے زمین کے سلاطین اہل اسلام خانہ کعبہ اور اہل مکہ کیلئے لاکھوں درہم و دینار کے ہدایا بھیجنے لگے۔

۸۔ اور مدیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے جو بطن قطورا سے ہے اور شہر مداین انہی کا آباد کیا ہوا ہے اور قیدار حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جیسا کہ تورات کی پیدائش کے پچیسویں باب میں صراحتہً مذکور ہے اور اہل مداین اور نواحی سبا سب حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے ہیں جو مشرف با اسلام ہوئے اور ہر سال اونٹوں اور سانڈنیوں پر سوار ہو کر حج بیت اللہ کیلئے حاضر ہوتے ہیں اور جن کی حمد وثنا اور لبیک اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کی آوازوں سے دشت وبیابان گونجنے لگتے ہیں اور قیدار کی ساری بھیڑیں وہاں جمع ہو جاتی ہیں اور عبیط سے عرب مشرقی وشمالی کے قبائل مراد ہیں (عبیط حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام ہے) اور مطلب یہ ہے کہ سبا یعنی یمن کے قبائل اور قیدار کی بھیڑیں یعنی قریش کے وحشی لوگ اور عبیط کے مینڈھے یعنی موٹے اور فربہ آدمی ہر طرف سے خدا کی تسبیح وتہلیل اور تحمید وتکبیر کے نعرے لگاتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔

۹۔ اور کبوتروں کے مانند لوگ خانہ کعبہ کی طرف اڑ کر پہنچیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔

۱۰۔ اور اس وقت جو فخر اور جلال لبنان کو حاصل ہے وہ اس مکہ معظمہ کو حاصل ہوگا اور اس وقت ملک شام کو جو انبیاء بنی اسرائیل کے مسکن ہونے کا فخر اور شرف ہے وہ شرف اس وقت مکہ مکرمہ کی طرف منتقل ہو جائے گا جو خاتم الانبیاء اور سید الاصفیاء کا مولد اور مسکن ہوگا اور اس کے اصحاب بنی اسرائیل کے نمونہ ہوں گے۔

۱۱۔ اور جو غارت گر خانہ کعبہ کا رخ کرے گا وہ یک لخت ہلاک ہوگا جیسا کہ اصحاب فیل کا قصہ مشہور ہے۔

۱۲۔ اور خدا کا مقدس مکان یعنی خانہ کعبہ آراستہ اور پیراستہ ہوگا ہر سال اس پر زریں غلاف چڑھائے جائیں گے۔

۱۳۔ اور اس بلدۂ مقدسہ کا نام صیہون ہوگا اس لئے کہ صیہون جس طرح یروشلم کے ایک پہاڑ کا نام ہے اسی طرح صیہون مکہ مکرمہ کا بھی نام ہے جیسے شیخ عبدالحق دہلوی نے مدارج النبوۃ باب چہارم قسم اوّل میں لکھا ہے دیکھو ازالۃ الاوہام ص ۴، ۵۔

۱۴۔ اور آپ کے بعد جو خلیفہ اور حاکم ہوئے وہ عین سلامتی ہوئے اور آپ کی شریعت کے عالم عین صداقت بنے۔

۱۵۔ اور سرزمین عالم صداقت اور عدالت اور سلامتی سے ایسی معمور ہوئی کہ کسی جگہ بھی ظلم کی آواز نہ سنی گئی۔

۱۶۔ اور اُمت کو ایسی شریعت کا وارث بنا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ جس کا نور اور روشنی ابد تک چمکتا رہے گا۔

۱۷۔ اور اس کا نور اور جلال ابدی ہوگا۔

۱۸۔ جو نہ کبھی ڈھلے گا اور نہ زوال پذیر ہوگا۔

۱۹۔ اور اس نبی کے تمام صحابہ راستباز ہوں گے۔

۲۰۔ اور ایک چھوٹے سے ہزار اور ایک حقیر سے قوی گروہ ہو جائیں گے۔

وللہ الحمد والمنۃ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر۱۸۔از۔کتاب دانیال علیہ السلام باب دوم

کتاب دانیال کے باب دوم میں ایک طویل قصہ مذکور ہے جس کا خلاصہ ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں:۔ بخت نصر شاہ بابل نے ایک پریشان کن خواب دیکھا اور خواب دیکھ کر بھول گیا اس سے اور بھی زیادہ پریشان ہوا۔بادشاہ نے یہ ماجرا دانیال علیہ السلام سے ذکر کیا، دانیال علیہ السلام نے وحی کے ذریعہ وہ خواب بھی بتلایا اور پھر اس کی تعبیر بھی بتلائی۔

[۳۱] بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک مورت ہے جو نہایت خوبصورت بھی ہے اور ہیبت ناک بھی ہے اور بادشاہ کے سامنے کھڑی ہے۔

[۳۲] جس کا سر خالص سونے کا ہے اور اس کا سینہ اور بازو چاندی کے ہیں اور اس کا شکم اور رانیں تانبے کی ہیں اور اس کی پنڈلیاں لوہے کی ہیں اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے ہیں، بادشاہ اس عجیب وغریب مورت کو دیکھ رہا ہے۔

[۳۴] کہ یکایک ایک پتھر نکلا بغیر اس کے کہ کوئی ہاتھ سے کاٹ کے نکالے خود بخود نکلا اور اس مورت کے پاؤں پر لگا جو لوہے اور مٹی کے تھے اور اسے ٹکرے ٹکرے کردیا۔

[۳۵] اور لوہا اور مٹی اور تانبا، چاندی اور سونا (جس سے وہ مورت بنی ہوئی تھی) ٹکرے ٹکرے کئے گئے اور بستانی کھلیان کے بھوسے کے مانند ہو گئے اور ہوا انہیں اڑا کر لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو مارا تھا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین کو بھر دیا۔(خواب ختم ہوا)

بادشاہ نے یہ خواب دیکھا تھا مگر بھول گیا تھا، دانیال علیہ السلام کو بذریعہ وحی بتلایا گیا کہ بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے،دانیال علیہ السلام نے حسب وحی خداوندی خواب بیان کر کے بادشاہ کو اس کی تعبیر بتلائی کہ اس خواب میں یکے بعد دیگرے پانچ سلطنتوں کی طرف

اشارہ ہے۔ سونے کے سر سے بابل کا بادشاہ مراد ہے اور تیری سلطنت سونے کی مانند ہے اور تیرے بعد ایک اور سلطنت آئے گی جو چاندی کے مانند ہوگی اور تیری سلطنت سے کمتر ہو گی۔ اس کے بعد ایک تیسری سلطنت آئے گی جو تانبے کی مانند ہوگی پھر ایک چوتھی سلطنت آئے گی جو لوہے کی مانند مضبوط ہوگی پھر ایک پانچویں سلطنت آئے گی جس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے ہوں گے یعنی اس سلطنت میں کچھ ضعف ہوگا اور اضطراب ہوگا لوہا اور مٹی ملا جلا ہوگا یعنی سلطنت قوت اور ضعف کا مجموعہ ہوگی کبھی اس میں قوت ہوگی اور کبھی ضعف۔ اس پانچویں سلطنت کے زمانہ میں یکایک عالم غیب سے ایک پتھر نمودار ہوگا جو کسی کے ہاتھ سے کاٹ کر نکالا ہوا نہ ہوگا بلکہ من جانب اللہ خود بخود بلا سبب ظاہری کے آسمان سے اترے گا اور اس آخری سلطنت کے پاؤں پر گرے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا تا آنکہ اس کو بستانی کھلیان کے بھوسہ کی مانند بنا دے گا اور ہوا اس کو اڑا کر لے جائے گی یہاں تک کہ اس کا نام ونشان نہ رہے گا اور رفتہ رفتہ وہ پتھر پہاڑ بن کر تمام زمین کو بھر دے گا۔

جاننا چاہیے کہ اس تعبیر میں آنحضرت ﷺ کی بعثت اور آپ کی نبوت ورسالت اور آپ کی آسمانی بادشاہت کو ایک پتھر سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ وہ پتھر بہت جلد پہاڑ کی شکل میں تبدیل ہو جائے گا یعنی اوّل اوّل چھوٹی سی سلطنت ہوگی اور بعد میں تمام دنیا پر چھا جائے گی چنانچہ عہد فاروقی میں قیصر وکسریٰ کی شوکت کا خاتمہ ہو گیا اور اس طرح: هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ۔ [التوبہ:۳۳] کا وعدہ پورا ہوا اور: هلك كسرىٰ فلا كسرىٰ بعدهٗ و هلك قيصر فلا قيصر بعدهٗ کی تصدیق ہوگئی۔ آسمانی بادشاہت کا پتھر زمین پر ایسا گرا کہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کو پیس کر رکھ دیا اور جو شریعت آپ ﷺ پر آسمان سے نازل ہوئی وہ قیامت تک باقی رہے گی۔

عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عاتکہ بنت عبدالمطلب کا ایک خواب ذکر کریں جو سیرت کی تمام صحیح اور معتبر کتابوں میں مذکور ہے تاکہ ناظرین کو اس بشارت دانیالیہ کے سمجھنے میں مدد دے، وہ خواب حسب ذیل ہے:۔

''ابوجہل کی سرکردگی میں قریش کا ایک ہزار کا قافلہ سات سو اونٹ اور سو سواروں اور دیگر سامانِ حرب کے ساتھ جنگ بدر کیلئے روانہ ہونے لگا تو قبل از روانگی عاتکہ بنت عبد المطلب نے یہ خواب دیکھا کہ ایک شتر سوار مکہ میں آیا ہے اور مقام ابطح میں اونٹ بٹھلا کر باآواز بلند یہ کہہ رہا ہے: الا انفروا یا آل غدر لمصارعکم فی ثلاث ''اے اہل غدر یعنی خدا کے غدارو تم بہت جلد اپنی مقتل اور بچھڑنے کی جگہ کی طرف تین دن میں نکل جاؤ۔''

اور پھر وہ شتر سوار مسجد الحرام میں گیا اور خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر بھی اسی طرح اعلان کیا۔ اس کے بعد وہ سوار جبل ابوقبیس پر چڑھا اور وہی آواز دی اور پھر اوپر سے ایک پتھر اٹھا کر نیچے پھینکا وہ پتھر نیچے پہنچ کر چور چور ہو گیا اور مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جس میں اس کا کوئی ٹکڑا جا کر نہ گرا ہو۔'' عاتکہ نے یہ خواب حضرت عباس ﷛ سے بیان کیا جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے انہوں نے یہ خواب سن کر اپنے مخصوص دوستوں سے بیان کیا اور سمجھ گئے کہ قوم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے، شدہ شدہ اس خواب کی اطلاع ابوجہل کو بھی ہو گئی، ابوجہل نے جب حضرت عباس کو مسجد الحرام میں آتے دیکھا تو کہنے لگا اے ابوالفضل (حضرت عباس ﷛ کی کنیت ہے) تمہارے مرد تو مدعی نبوت تھے ہی اب تمہاری عورتیں بھی نبوت کا دعویٰ کرنے لگیں؟ حضرت عباس نے کہا کیا بات ہے؟ ابوجہل نے عاتکہ کے

خواب کا ذکر کیا، خواب بیان ہی کیا جا رہا تھا کہ یکا یک ضمضم غفاری ابوسفیان کا پیغام لے کر اس شان سے مکہ پہنچا کہ پیراہن چاک ہے اور اونٹ کی ناک کٹی ہوئی ہے اور یہ آواز لگا رہا ہے اے گروہ قریش اپنے کاروان تجارت کی خبر لو اور جلد از جلد ابوسفیان کے قافلہ کی مدد کو پہنچو۔ یہ خبر سنتے ہی قریش پورے ساز و سامان کے ساتھ مکہ سے نکل کھڑے ہوئے اور بدر کے میدان میں پہنچ کر اس خواب کی تعبیر بحالت بیداری اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔

اور اس واقعہ پر بھی غور کرو جو احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ غزوۂ خندق میں خندق کھودتے وقت جب ایک سخت پتھر نکل آیا تو اس پر آنحضرت ﷺ نے تین مرتبہ کدال ماری جس سے وہ پتھر ٹوٹ گیا اور اس سے روشنی نمودار ہوئی اور اس میں شام اور فارس اور یمن کے شہر نظر آئے، اشارہ اس طرف تھا کہ یہ تمام ممالک اسلام کے مفتوح ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۱۹:۔ از۔ انجیل متی باب سوم آیت اوّل

”اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا یہودیہ کے بیابان میں ظاہر ہو کے منادی کرنے اور کہنے لگا کہ توبہ کرو آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے۔“ (انتہیٰ)

اور اسی انجیل کے باب چہارم کی سترہویں آیت میں ہے: ”اسی وقت سے یسوع نے منادی کرنی اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت نزدیک آ گئی ہے۔“ (انتہیٰ)

آسمانی بادشاہت سے یہ مراد ہے کہ کوئی کتاب آسمان سے نازل ہو اور اس میں ہر طرح کا احکام مذکور ہوں گے اور نہایت شوکت اور حاکمانہ طور سے اس کی نشر و اشاعت کی جائے گی، خدا کے سرکشوں اور نافرمانوں پر تہدیدی احکام نافذ ہوں گے غرض یہ کہ نہ تو فقط

دنیوی بادشاہت ہو جیسا کہ سلاطین دنیا کو حاصل ہوتی ہے اور نہ یہ ہو کہ فقط احکام خداوندی کی اشاعت نہایت مسکنت سے مقہور اور مغلوب ہو کر بلا کسی شوکت اور حکومت کے کی جائے بلکہ احکامِ آسمانی بھی ہوں اور اس کے ساتھ شوکت اور حکومت زمینی بھی ہو۔ احکام خداوندی سے سرتابی کرنے والوں کو سزا بھی دی جاتی ہو۔ حکومت الٰہی کے باغیوں سے جہاد بھی کیا جاتا ہو اور یہ دونوں باتیں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے خلفاء کے عہد میں کماحقہٗ ظہور میں آئیں۔ احکامِ خداوندی اور شریعت آسمانی بھی نازل ہوئی اور نہایت شوکت اور قوت سے اس کو نافذ کیا گیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ کر رکھ دیا گیا، خدا کے دشمنوں سے جہاد بھی کیا، چور اور راہ زنوں پر حد بھی قائم کی، زنا کاروں کو رجم اور سنگسار کیا، شراب خواروں کو کوڑے لگوائے۔ آنکھ کھول کر دیکھئے کہ آسمانی بادشاہت اس کو کہتے ہیں اور خدارا یہ بھی آسمانی بادشاہت نہیں تو وہ بادشاہت تم بتلاؤ کہ جس کو آسمانی کہا جا سکے۔

انّ فی ذالک لذکری لمن کان له قلب والقی السمع وهو شهیدٌ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿بشارت نمبر ۲۰:۔ از انجیل متی باب ۲۱ آیت ۴۲﴾

”یسوع نے انہیں کہا کیا تم نے نوشتوں میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو راج گیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ہوا اور ہماری نظروں میں عجیب، اس لئے میں تمہیں کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور ایک قوم کو جو اس کے میوہ لاوے دی جائے گی جو اس پتھر پر گرے گا چور ہو جائے گا پر جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالے گا۔“ (انتہیٰ)

راج گیر اور معماروں سے بنی اسرائیل مراد ہیں اور کونے کے پتھر سے ہمارے

نبی اکرم ﷺ ہیں کیونکہ آپ بنی اسرائیل کی نظر میں ایک ناپسند پتھر کے مشابہ تھے، بنی اسرائیل نے ہر چند آپ کو رد کرنا چاہا مگر آپ تائید الٰہی سے کونے کا سرا یعنی خاتم النبیین ہو کر رہے اور پتھر کے سر زاویہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جو کونا عمارت کی بلندی کی طرف خالی تھا وہ اس سے بھر جائے گا اسی طرح قصرِ نبوت میں جو زاویہ خالی تھا وہ آنحضرت ﷺ سے پُر ہو گیا اس طرح قصرِ نبوت کی عمارت پوری ہو گئی۔

كَمَا رَوٰى اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ اِنَّ مَثَلِيْ وَمَثَلَ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِيْ كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتاً فَاَحْسَنَهٗ وَاَجْمَلَهٗ اِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوْفُوْنَ بِهٖ وَيَعْجَبُوْنَ لَهٗ وَيَقُوْلُوْنَ هَلَّا وَضَعْتَ اللَّبِنَةَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ [رواه البخاري فِيْ كِتَابِ الْاَنْبِيَاءِ فِيْ رِوَايَةٍ اَنَا سَدَدْتُ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ وَخُتِمَ بِيَ الْبُنْيَانُ وَخُتِمَ بِيَ الرُّسُلُ]

"آنحضرت ﷺ نے فرمایا: میری اور انبیاء سابقین کی ایسی مثال ہے کہ کسی نے ایک محل نہایت عمدہ تیار کیا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی لوگ اس محل کا چکر لگاتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی، میں ہی خاتم النبیین ہوں یعنی میں نے ہی اس اینٹ کی جگہ کو پُر کیا ہے اور میرے ہی سے یہ تعمیر ختم ہوئی اور مجھ ہی پر انبیاء و رسل کا سلسلہ ختم ہوا۔" [صحیح بخاری]

پھر آپ ﷺ پر جو گرا وہ بھی چور چور ہوا اور جس پر آپ ﷺ گرے وہ چورا چورا ہوا چنانچہ جنگ بدر میں قریش آپ پر گرے اور وہ خدا کے فضل سے چور چور ہوئے اور فتح مکہ کے وقت آپ ﷺ ان پر گرے تب بھی وہ چور چور ہوئے اور آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام ایران، شام و روم وغیرہ وغیرہ پر گرے اور سب کو چور کیا اور پھل اور میوہ لانے والی قوم بنی

اسمٰعیل ہیں کہ جو آنحضرت ﷺ کی تربیت سے پھل لائی اور حکومت اور سلطنت کے مالک ہوئے اور یہ آسمانی بادشاہت ان کے حصہ میں آئی۔

لہٰذا اس بشارت کا مصداق بجز خاتم النبیین سید الاولین والآخرین محمد ﷺ کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ رہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سو وہ حضرت داوٗد علیہ السلام کی نسل سے تھے، بنی اسرائیل میں بہت محترم تھے وہ ناپسند پتھر کے کیسے مشابہ ہوسکتے ہیں۔

دوم:۔ یہ کہ وہ خاتم النبیین نہیں جیسا کہ ماسبق میں معلوم ہو چکا ہے کہ اہل کتاب علاوہ عیسیٰ علیہ السلام کے ایک اور نبی کے منتظر تھے نیز ماسبق میں یہ بھی گزر چکا ہے کہ جب یحیی علیہ السلام مبعوث ہوئے تو یہودیوں نے ان سے دریافت کیا۔ الخ

سوم:۔ یہ کہ حضرت مسیح خود تو کسی پر نہ گرے اور یہود جب ان پر گرے تو بقول نصاریٰ حضرت مسیح چور چور ہوئے۔ واللہ اعلم

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی یہ نہیں فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں میرے آسمان پر چلے جانے کے بعد کوئی سچا نبی نہیں آئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۲۱:۔ از۔ انجیل یوحنا باب (۱۴) چہاردہم آیت ۱۵

[۱۵] "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے [۱۶] اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے۔

[۲۶] وہ تسلی دینے والا جو روح القدس ہے جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب چیزیں سکھلائے گا اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے تمہیں کہی ہیں تمہیں یاد دلائے گا

[۲۹] اور اب میں تمہیں اس کے واقع ہونے سے پیشتر کہا تا کہ جب وہ وقوع میں آئے

تو تم ایمان لاؤ [۳۰] بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کروں گا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں۔"

اور باب ۱۵ آیت ۲۷ میں ہے: "جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح تو وہ میری گواہی دے گا۔" (انتہیٰ)

اور باب ۱۶ آیت ۷ میں ہے:۔

[۷] میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ [۸] اور وہ آ کر دنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائے گا [۹] گناہ کے بارہ میں اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے [۱۰] راستبازی کے بارہ میں اس لئے کہ میں اپنے باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے [۱۱] عدالت کے بارہ میں اس لئے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے [۱۲] میری اور بھی بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں اب کہوں پر اب تم ان کو برداشت نہیں کر سکتے [۱۳] لیکن جب وہ روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا [۱۴] وہ میری بزرگی اور جلال کو ظاہر کرے گا۔" (انتہیٰ)

اور انجیل متی باب ۳ آیت ۱۱ میں ہے۔ "میں توبہ کیلئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے اور میں اس کے جوتے اٹھانے کے لائق نہیں۔" (انتہیٰ)

یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کلام ہے کہ جو آپ نے رفع الی السماء سے پہلے حواریین

کی تسلی کیلئے فرمایا کہ تم یہود بے بہبود کی سازشوں اور قتل کی تدبیروں سے ہرگز نہ گھبراؤ اور میری تکلیف سے رنجیدہ اور غمگین نہ ہو میں عنقریب اس دنیا سے نکل کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا کہ جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوگی یعنی آسمان پر چلا جاؤں گا۔ خدا کے یہاں بہت مکان ہیں اور قیامت کے قریب پھر آسمان سے نازل ہوں گا اور بعدازاں ایک آنے والی فارقلیط کی بشارت دی کہ ایک زمانہ آئے گا کہ میرے علاوہ ایک دوسرا فارقلیط (رسول) ظاہر ہوگا اور وہ آکر میری بزرگی بیان کرے گا اور میرے نہ ماننے والوں یعنی یہود بے بہبود کو خوب سزا دے گا اور وہ دین و دنیا کا سردار ہوگا اور وہ اس قدر بلند مرتبہ ہوگا کہ مجھ میں اس کی کوئی بات نہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن میں اس بشارت کا ذکر فرمایا ہے، کما قال تعالیٰ:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًاۢ بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ.

''اس وقت کو یاد کرو کہ جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں اور بشارت دینے والا ہوں عظیم الشان رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور اس کا نام احمد ہوگا۔'' [الصف:٦]

اصل بشارت میں لفظ احمد موجود تھا اور جیسا کہ انجیل برناباس میں اب بھی موجود ہے لیکن جب انجیل کا عبرانی زبان سے یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تو یونانیوں نے اپنی عادت کی بنا پر کہ وہ ترجمہ کرتے ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا کرتے تھے آنحضرت ﷺ کے نام مبارک (احمد) کا ترجمہ بھی پیرکلوطوس سے کر دیا اور پھر جب یونانی نسخہ کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا تو پیرکلوطوس کا معرب فارقلیط کر لیا گیا ایک عرصہ تک اُردو اور فارسی اور عربی نسخوں میں فارقلیط کا لفظ رہا اس کے بعد اس کا ترجمہ روح القدس سے کیا گیا اور مسیحین روح

القدس کے لفظ کو بطور تفسیر خطوط وحدانی میں لکھتے رہے رفتہ رفتہ فارقلیط کے لفظ کو بالکل حذف کردیا گیا پھر کسی نے فارقلیط کی جگہ روح القدس کا لفظ اور کسی نے روح حق کا لفظ اور کسی نے مددگار اور تسلی دینے والے کا لفظ رکھ دیا اور فارقلیط کے لفظ کو انجیل کے نسخوں سے بالکل حذف کردیا۔

لفظ فارقلیط کی تحقیق

لفظ فارقلیط اصل میں یونانی زبان سے معرب کیا گیا ہے اور یہ لفظ یونانی زبان میں کئی معنوں میں مشترک ہے اور وہ سب معنی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ پر صادق آتے ہیں۔

علماء نصاریٰ نے فارقلیط کے مختلف معنی بیان کیے ہیں:۔

ا۔ کسی نے کہا کہ فارقلیط کے معنی تسلی دینے والے کے ہیں جس کا عربی ترجمہ معزی ہے۔

۲۔ کسی نے کہا اس کے معنی معین اور مددگار کے ہیں۔

۳۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی شافع یعنی شفاعت کرنے والے کے ہیں۔

۴۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی وکیل یعنی وکالت کرنے والے کے ہیں۔

۵۔ کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہنے والا جس کا فارسی ترجمہ ستائندہ اور عربی ترجمہ حماد اور احمد بصیغہ تفصیل بمعنی فاعل ہے۔

۶۔ اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی بڑا سراہا گیا یعنی براستودہ کے ہیں جس کا عربی ترجمہ محمد ﷺ ہے اور احمد اسم تفصیل بمعنی مفعول ہے ایک مکان میں جمع تھے تو وہ روح ان پر نازل ہوئی اور اس روح کے نزول سے حوارین تھوڑی دیر کیلئے مختلف زبانیں بولنے لگے۔

نصاریٰ کا یہ خیال سراسر خیال خام ہے یہ بشارت کسی مقدس اور برگزیدہ انسان کے حق میں ہے جو خدا کی طرف سے الہام پائے گا اور خدا کی طرف سے اس کو جو القاء ہوگا وہی کہے گا اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا۔ اس بشارت کو روح القدس یعنی جبرائیل امین کے نزول سے کوئی واسطہ نہیں اور کسی فرشتہ سے اس بشارت کا کوئی تعلق نہیں۔ فارقلیط کی آمد سے ایک رسول عظیم کی بعثت مراد ہے جو حق اور باطل کے درمیان فرق کرے گا۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب تفسیر حقانی عقائدالاسلام ص ۶۸ میں لکھتے ہیں:۔

''ایک پادری صاحب اپنے ایک رسالہ میں جو لفظ فارقلیط کی تحقیق میں انہوں نے لکھا ہے اور ۱۲۶۸ ہجری میں کلکتہ میں چھپا تھا لکھتے ہیں کہ فارقلیط یونانی زبان سے معرّب کیا گیا ہے پس اگر اس کی یونانی میں پاراکلی طوس اصل قرار دی جائے تو اس کے معنی معین اور وکیل کے ہیں اور اگر کہیں اصل پیرکلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں پس جس عالم میں اہل اسلام نے اس بشارت سے استدلال کیا تو وہ اصل پیرکلوطوس سمجھا کیونکہ اس کے معنی محمد یا احمد کے قریب ہیں۔ پس اس نے دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے محمد یا احمد ﷺ کی خبر دی لیکن اصل پاراکلی طوس ہے فقط ہم کہتے ہیں کہ اصل پیرکلوطوس ہے یونانی خط میں بہت تشابہ ہے اس کو پاراکلی طوس غلطی سے پڑھ لیا۔'' (انتہیٰ کلامہ)

اور دیکھو اظہار الحق ص ۱۵۵ ج ۲ مصنفہ فاضل محقق مولانا محمد رحمت اللہ کیرانویؒ

یہ مضمون اظہار الحق ہی کی عبارت کا ترجمہ ہے جو عربی میں ہے:۔

اور یونانی زبان میں پیرکلوطوس ہونے کی ایک بڑی دلیل ہے کہ سینٹ جروم نے جب انجیل کا ترجمہ لاطینی زبان میں لکھنا شروع کیا تو پیرکلوطوس کی جگہ پاراکلوطوس لکھ دیا، اس سے ثابت ہوا کہ جس کتاب سے نقل کیا تھا پیرکلوطوس تھا۔ (تفسیر حقانی ص ۱۰۹ تفسیر

سورۃ الصف) اور اگر ہم اس تحقیق سے قطع نظر بھی کر لیں تب بھی ہمارا مدعا ثابت ہے کیونکہ اس بشارت میں اس آنے والے فارقلیط کے بہت سے اوصاف بیان کئے ہیں جو یہ تمام وکمال سیدنا ومولانا محمد مصطفیٰ واحمد مجتبیٰ ﷺ پر صادق اور منطبق ہیں۔

اوّل یہ کہ جب تک میں نہ جاؤں گا وہ نہ آئے گا۔ دوم یہ کہ وہ میری گواہی دے گا۔ سوم یہ کہ وہ گناہ اور راستی اور عدالت سے تقصیروار ٹھہرائے گا۔ چہارم یہ کہ مجھ پر نہ ایمان لانے والوں کو سزا دے گا۔ پنجم وہ سچائی کی راہ بتلائے گا۔ ششم یہ کہ وہ آئندہ کی خبریں دے گا۔ ہفتم یہ کہ وہ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے گا بلکہ اللہ سے سنے گا وہی کہے گا۔ ہشتم یہ کہ وہ جہان کا سردار ہوگا۔ نہم یہ کہ وہ میری تمام باتیں تم کو یاد دلائے گا۔ دہم یہ کہ وہ جو امور تم اس وقت برداشت نہیں کر سکتے وہ نبی اس وقت آکر تم کو بتلائے گا اور جو باتیں غیر مکمل ہیں ان کی تکمیل کرے گا۔ اور یہ تمام باتیں آنحضرت ﷺ پر صادق آتی ہیں:۔

۱۔ آپ ﷺ کا تشریف لانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر اس لئے موقوف تھا کہ آپ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اس لئے کہ کسی نبی کا آنا پہلے نبی کے جانے پر جب ہی موقوف ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو ورنہ اگر وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو اس کے آنے سے پہلے نبی کا جانا شرط ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اس لئے کہ جب وہ نبی خاتم الانبیاء نہیں تو پہلے نبی کی موجودگی میں بھی وہ مبعوث ہو سکتا ہے۔ پہلے نبی کا جانا دوسرے کے آنے کیلئے جب ہی شرط ہو سکتا ہے جب دوسرا نبی خاتم الانبیاء ہو۔ الحاصل حضرت مسیح علیہ السلام نے اس جملہ سے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ فارقلیط اور روح حق خاتم الانبیاء ہوگا۔ کما قال اللہ تعالیٰ:۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. [الاحزاب: ۴۰]

''محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور آخر النبیین ہیں۔''

اور حضرت مسیح علیہ السلام خاتم النبیین نہ تھے ورنہ علماء نصاریٰ و یہود حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد ایک نبی کے کس لئے منتظر تھے اور روح کا آنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانے پر موقوف نہ تھا روح کا نزول تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں بھی ہوتا تھا۔

۲۔ اور آنحضرت ﷺ نے حضرت عیسیٰ ﷺ کی گواہی بھی دی:۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

''اور انہوں نے نہ ان (عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل کیا اور نہ سولی دی لیکن اشتباہ میں۔'' [النسآء: ۱۵۷، ۱۵۸]

کیونکہ لفظ احمد صیغہ اسم تفضیل کا ہے جو کبھی بمعنی فاعل آتا ہے اور کبھی بمعنی مفعول پس اگر احمد اسم تفضیل بمعنی فاعل ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑی حمد و ثنا کرنا یعنی خدا تعالیٰ کا بڑا سراہنے والا اور اگر احمد اسم تفضیل بمعنی مفعول ہو تو اس کا ترجمہ یہ ہوگا بڑا استودہ یعنی جو خدا اور بندوں میں بڑا ستودہ ہے کہ ہر جگہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔[۷] اور بعضوں نے فارقلیط کا ترجمہ امید گاہ عوام سے کیا ہے[۸] اور بعض نسخوں میں رسول کا لفظ ہے[۹] اور بعض نے کہا کہ اس کے معنی روح حق کے ہیں[۱۱] اور کسی نے کہا کہ اس کے معنی ثقہ اور معتبر کے ہیں۔

پس اگر فارقلیط کی اصل یونانی زبان میں پاراکلی طوس قرار دی جائے تو اس کے

معنی معین اور مددگار اور وکیل کے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کی اصل پیر کلوطوس ہے تو اس کے معنی محمد یا احمد یا حماد کے قریب ہیں۔ انجیل کے تمام قدیم نسخوں میں عربی اور فارسی اور اُردو تمام نسخوں میں فارقلیط کا لفظ موجود تھا مگر اب موجودہ نسخوں میں لفظ فارقلیط کے بجائے زیادہ تر مددگار اور روح حق کا لفظ پایا جاتا ہے۔ مگر باوجود ان تحریفات اور تغیرات وتبدلات کے پھر بھی مدعا حاصل ہے اس لئے کہ اس بشارت فارقلیط کے جو اوصاف ذکر کیے گئے ہیں وہ تمام کے تمام محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰ ﷺ پر علی وجہ الکمال والتمام صادق اور منطبق ہیں اور فارقلیط کے جو معنی لئے جائیں وہ سب آپ ﷺ پر صادق آتے ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے وکیل اور سفیر بھی ہیں اور روح حق اور روح صدق اور روح راستی بھی ہیں یعنی روح خبیث نہیں جو جھوٹ بولے اور اُمت کے شافع بھی ہیں اور بشیر ونذیر بھی ہیں اور خدا کے ستودہ اور پسندیدہ بندہ بھی ہیں اور سب سے زیادہ خدا کی حمد وثنا کرنے والے بھی ہیں بلکہ یہ تمام آپ ﷺ کے اسماء ہیں یعنی آپ کے نام بھی ہیں کوئی ان میں سے اسم صفت ہے جیسے وکیل اور شافع اور معین ومددگار اور روح الحق اور کوئی اسم علم ہے جیسے احمد اور محمود اور حماد اور آپ کے ناموں سے ایک نام آپ کا حمد بھی ہے حمد اگرچہ مصدر ہے بمعنی ستودن مگر مبالغۃً آپ پر اطلاق کردیا گیا کہ آنحضرت ﷺ حق تعالیٰ کی مجسم حمد وثناء ہیں۔

فارقلیط کا سب سے زیادہ صحیح ترجمہ لفظ احمد ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس بشارت کا ذکر بلفظ احمد آیا ہے، کما قال اللہ تعالیٰ: وَ مُبَشِّرًا م بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ م بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ ۔ یہ آیت قرآن مجید کی ہے اور قرآن مجید جس ملک میں نازل ہوا اس وقت اس ملک میں بے شمار علماء یہود اور علماء نصاریٰ موجود تھے اگر یہ بشارت اور خبر غلط ہوتی تو ہزارہا علماء یہود ونصاریٰ اس غلطی کو فاش کرتے اور برملا اس خبر کی تردید کرتے

اور جو علماء یہود اور نصاریٰ اسلام میں داخل ہو گئے تھے وہ اس غلط بیانی کو دیکھ کر فوراً اسلام سے برگشتہ ہو جاتے اور بغیر شور و غل مچائے خاموش نہ بیٹھتے۔

آنحضرت ﷺ کا اس پیشگوئی کو علی الاعلان ظاہر فرمانا اور بیان کرنا اور علماء نصاریٰ کا خاموش رہنا یہ ان کے اعتراف اور تسلیم کی روشن دلیل ہے اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ اگر یہ بات سچی تھی تو اس وقت کے تمام علماء یہود و نصاریٰ کیوں مسلمان نہ ہو گئے؟

جواب:۔ یہ ہے کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور کی پیشن گوئیاں تورات میں موجود ہیں مگر باوجود ان پیشن گوئیوں کے اور باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے مشاہدہ کر لینے کے پھر بھی علماء یہود حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان نہیں لائے بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اور بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض یا بوجہ حسد کے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا بلکہ صاف طور پر علماء یہود یہ کہتے ہیں کہ تورات میں حضرت مسیح علیہ السلام کی کوئی بشارت نہیں اور نہ ان کا کوئی ذکر ہے اسی طرح بہت سے علماء نصاریٰ نے بوجہ سنگدلی اور بوجہ دنیاوی اغراض آپ ﷺ کا پیرو ہونا قبول نہ کیا حالانکہ ان کو یقین تھا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی مسیح بن مریم علیہ السلام نے بشارت دی ہے جیسے ہرقل اور مقوقس نے صاف طور پر اس کا اقرار کیا کہ آپ وہی نبی ہیں جن کی انجیل میں بشارت دی گئی مگر اپنی سلطنت کی خاطر اسلام میں داخل نہیں ہوئے اور علماء نصاریٰ میں جو منصف اور حق پرست تھے جیسے نجاشی شاہِ حبشہ اور ضغاطر رومی اور ابن الناطور وغیرہم یہ لوگ ایمان لائے اور بہت سے علماء نصاریٰ نے دیدہ و دانستہ علماء یہود کی طرح صاف طور پر یہ کہہ دیا کہ محمد رسول اللہ علیہ السلام کی تورات و انجیل میں کوئی بشارت نہیں، علمائے نصاریٰ کی یہ تکذیب ایسی ہے جیسا کہ علماء یہود اور دیگر یہود حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارتوں کے منکر اور مکذب ہیں۔ علماء

نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ اس بشارت میں فارقلیط کی آمد سے روح القدس کا حواریین پر نازل ہونا مراد ہے چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد جب حواریین کو شریعت کا کوئی علم نہیں کہ جس کی روح سے وہ فتویٰ دے سکیں ہاں نصاریٰ کے پاس صنعت وحرفت اور کاریگری کے علوم وفنون ہیں، حکمرانی اور جہانبانی اور عدل عمرانی کے متعلق ان کے پاس کوئی آسمانی قانون نہیں کہ جس کی رُو سے وہ دنیا میں عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کر سکیں۔ مغربی اقوام کے پاس جو دستور ہے وہ چند اہل فکر کے افکار اور خیالات کا نتیجہ ہے شریعت اسلامیہ کی طرح آسمان سے نازل شدہ کوئی قانون ان کے پاس نہیں۔

علماء مسیحیین اس بشارت کو روح القدس کے حق میں قرار دیتے ہیں جس کا نزول حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع الی السماء کے ۴۷ یوم بعد حواریین پر ہوا لیکن یہ قول چند وجوہ سے باطل ہے۔ [۱] اس لئے کہ روح کا نزول ہونا حضرت مسیح علیہ السلام کے جانے پر بعد موقوف نہ تھا بلکہ وہ تو ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ رہتی تھی۔ [۲] اور نہ روح نے کسی کو راستی اور عدالت سے ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی یہودی کو حضرت مسیح علیہ السلام پر نہ ایمان لانے کی وجہ سے کبھی سزا دی البتہ آنحضرت ﷺ نے مشرکین اور کافرین سے جہاد بھی کیا اور یہودیوں کو کافی سزا بھی دی اور ان کو ملزم بھی ٹھہرایا اس لئے کہ اہل دنیا کو الزام دینا اور ان کی سرزنش کرنا بغیر حکومت کے ممکن نہیں۔ معلوم ہوا کہ آنے والا فارقلیط اور دوسرا مددگار دنیا کا حاکم اور بادشاہ ہوگا جو مجرموں کی سرزنش کرے گا۔ اور چودھویں باب کے درس ۳۰ میں جو دنیا کے سردار آنے کا ذکر ہے اس سے یہی دنیا کا حاکم مراد ہے کہ جس کی حکومت اور توبیخ اور سرزنش کا ذکر ہو چکا ہے۔ [۳] نیز حضرت مسیح علیہ السلام کا اس پر ایمان لانے کی تاکید فرمانا بالکل بے محل ہے اس لئے کہ حواریین پیشتر ہی سے روح القدس پر ایمان رکھتے تھے اس کے فرمانے کی کیا

حاجت تھی کہ ”جب وہ آئے تب تم ایمان لاؤ“ حضرت مسیح علیہ السلام کا اس قدر اہتمام فرمانا اور اس پر ایمان لانے کی وصیت کرنا خود اس کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والی شئے کچھ ایسی ہوگی جس کا انکار تم سے بعید نہ ہوگا۔ پس اگر فارقلیط سے روح مراد ہوتی تو اس کیلئے چنداں اہتمام اور تاکید کی ضرورت نہ تھی اس لئے کہ جس کے قلب پر روح کا نزول ہوگا اس سے روح کا انکار ہونا بالکل ناممکن ہے۔ روح القدس کا نزول بالبداہت مفید یقین ہے جس طرح روح القدس کے نزول سے بالبداہت پیغمبر کو اپنی نبوت کا یقین آجاتا ہے۔ پیش آنے والی چیز سے انسان کو ایسا یقین کامل ہو جاتا ہے کہ قوت خیالیہ بھی اس کو دفع نہیں کر سکتی انسان پر جب کوئی حالت طاری ہوتی ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہوتا۔ [۴] نیز اس بشارت کا سیاق اس بات کو بتلا رہا ہے کہ وہ آنے والا فارقلیط حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مغایرت ہے جیسا کہ سولھویں آیت کا یہ لفظ دوسرا مددگار بخشے گا، صاف مغایرت پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علیحدہ صورت میں ظاہر اور نمودار ہوگا۔ پس اگر فارقلیط سے روح القدس مراد لی جائے تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی طرح مغائر نہیں کیونکہ نصاریٰ کے نزدیک ابن اور روح القدس میں حقیقی اتحاد ہے اور روح القدس جو حوارین پر ظاہر ہوگی وہ کسی علیحدہ صورت میں ظاہر نہیں ہوئی جس طرح کسی شخص پر جن مسلط ہو جاتا ہے سو جن کی باتیں وہی ہوتی ہیں جو اس شخص کے منہ سے نکلتی ہیں علیحدہ صورت میں اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ [۵] نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ جو کچھ میں نے تمہیں کہا یاد دلائے گا، حالانکہ کسی کتاب سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارشادات فراموش کر چکے تھے روح القدس نے ان کو علیحدہ صورت میں ظاہر ہو کر یاد دلائے ہوں۔ [۶] نیز اس بشارت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ”وہ میرے لئے گواہی دے گا“ سو یہ وصف صرف نبی اکرم ﷺ پر ہی صادق آسکتا ہے

کہ آپ ہی نے آکر مشرکین اور یہود کے سامنے حضرت مسیح علیہ السلام کی گواہی دی اور ان لوگوں کے سامنے کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے منکر یا بے خبر تھے آپ ﷺ ہی نے حضرت مسیح علیہ السلام کی رسالت کا اعلان کیا۔

بخلاف روح القدس کے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین پر نازل ہوئی اور حواریین پہلے ہی سے حضرت مسیح علیہ السلام کو رسول جانتے تھے ان کے سامنے گواہی دینے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ گواہی کی ضرورت تو منکرین کے سامنے تھی نہ کہ مومنین کے سامنے بخلاف آنحضرت ﷺ کے آپ ﷺ نے یہود کے سامنے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منکر تھے علی الاعلان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اور ان کے دعوائے قتل و صلب کی تردید کی اور رفع الی السماء کو ثابت کیا۔[۷] نیز حضرت مسیح اس فارقلیط کی نسبت یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ''مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں'' سو یہ جملہ آنحضرت ﷺ ہی پر صادق آسکتا ہے کہ مجھ میں اس کی کوئی چیز نہیں، روح القدس اور مسیح تو ایک ہی چیز ہیں۔

''اور جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا وہ یقیناً شک میں ہیں خود ان کو اس کا یقین نہیں محض گمان کی پیروی ہے یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا وہی غالب اور حکیم ہے۔''

[۳] اور راستی اور عدالت سے ملزم بھی کیا [۴] اور حضرت مسیح کے نہ ماننے والوں کو پوری پوری سزا بھی دی، کسی سے قتال اور جہاد کیا اور کسی کو جلاوطن کیا جیسا کہ یہود خیبر اور یہود بنو نضیر اور یہود بنو قینقاع کے واقعات سے ظاہر ہے اور روح نے نہ کسی کو ملزم ٹھہرایا اور نہ کسی کی سرزنش کی اور سرزنش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فارقلیط ظاہر ہونے کے بعد حکومت کے ساتھ لوگوں کی توبیخ اور سرزنش کرے گا اور ظاہر ہے کہ روح القدس کا ظاہر ہو کر عام

لوگوں پر حکومت کرنا کہیں ثابت نہیں اور نہ حوارئین کا یہ منصب تھا۔ حوارئین نے حکومت کے طور پر کسی کی توبیخ نہیں کی بلکہ واعظانہ طور پر لوگوں کو سمجھاتے تھے جس میں حکومت کا زور نہ تھا غرض یہ کہ کسی طرح بھی روح القدس کو فارقلیط کا مصداق نہیں قرار دیا جا سکتا۔ اور آیت دہم میں سرزنش کی یہ وجہ بیان فرمانا اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس فارقلیط اور مددگار اور وکیل و شفیع کا ظہور منکرین عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے ہوگا بخلاف روح کے کہ اس کا ظہور تو آپ کے نزدیک حوارئین پر ہوا کہ جو منکرین عیسیٰ علیہ السلام نہ تھے اور نہ حوارئین نے کسی کو سزا دی وہ خود ہی مسکین اور عاجز تھے کسی منکر کو کیسے سزا دے سکتے تھے [۵] اور آنحضرت ﷺ نے صدق اور راستی کی وہ راہیں بتائیں کہ جو کسی نے نہ دیکھی اور نہ سنیں۔ آپ کی شریعت غرّاء اور ملت بیضا اس کی شاہد ہے [۶] اور آئندہ واقعات کے متعلق آپ نے اتنی خبریں دیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں اور ایسی صحیح خبریں دیں کہ جو ہو بہو ظاہر ہوئیں اور ان کا ایک حرف بھی خلاف واقعہ نہ نکلا اور تا قیامت اسی طرح ظاہر ہوتی رہے گی [۷] اس لئے کہ آپ نے اپنی طرف سے کچھ نہیں فرمایا، کما قال اللّٰہ تعالیٰ: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى [النجم: ۳، ۴]

[۸] اور بایں ہمہ جہان کے سردار اور بادشاہ بھی ہوئے اور جہان اور دنیا کی سرداری سے اس طرف اشارہ ہے کہ آپ کی نبوت تمام عالم کیلئے ہوگی کسی قوم کے ساتھ مخصوص نہ ہوگی [۹] اور نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح تعلیمات کو محو کر دیا تھا ان کو بھی یاد دلایا جن میں توحید و تثلیث کا مسئلہ بھی ہے اس کو خوب یاد دلایا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے قتل و صلب کی نفی اور رفع الی السماء کا اثبات فرمایا:۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ م بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا

اللّٰہِ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ.

''آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب ایک ایسے امر کی طرف آؤ کہ جو ہم میں اور تم میں مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائیں۔'' [اٰل عمران:٦٤]

وَقَالَ الْمَسِیْحُ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اعْبُدُوا اللّٰہَ رَبِّیْ وَرَبَّکُمْ اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ○

''اور فرمایا حضرت مسیح بن مریم (علیہ السلام) نے اے بنی اسرائیل بندگی کرو صرف ایک اللہ کی جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے تحقیق جو اللہ کے ساتھ شریک کرے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کیا ہے اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' [المائدۃ:٧٢]

آپ ﷺ نے مبعوث ہونے کے بعد وہ باتیں بھی بتلائیں کہ جو حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے تحمل سے باہر تھیں یعنی ذات وصفات، حشر ونشر، جنت و جہنم کے متعلق وہ علوم ومعارف کے دریا بہائے کہ جن سے تمام عالم دنگ ہے اور کسی کتاب میں ان علوم کا نام ونشان نہیں اور جو اُمور غیر تکمیل شدہ تھے آپ کی شریعت کاملہ نے ان سب کی تکمیل بھی کردی، کما قال اللّٰہ تعالیٰ: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا دین بنا کر۔'' [المائدہ:٣]

اور قیامت تک کیلئے دنیا کو ایک ایسا کامل اور مکمل دستور (یعنی شریعت) دے گئے جو ان کے دین اور دنیا کی صلاح وفلاح کا کفیل ہے اور اس کے حقائق اور دقایق اور اسرار و حکم کو دیکھ کر دنیا حیران ہے قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم شریعت محمدیہ سے معلوم ہو سکتا ہے علماء یہود و نصاریٰ کے پاس کوئی شریعت ہی نہیں جس کو سامنے رکھ کر علماء اُمت اور فقہاء ملت کی طرح فتویٰ دے سکیں اس وقت کے نصاریٰ کے پاس۔ [۸] نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ اس روح نے کون سی آئندہ کی خبریں بتلائیں کہ جس سے اس روح کو اس بشارت کا مصداق کہا جائے۔ [۹] نیز اس بشارت کا تمام سیاق وسباق دلالت کرتا ہے کہ آنے والا دوسرا فارقلیط اور دوسرا مددگار لباس بشریٰ اور پیکر انسانی میں ظہور کریگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح لباس بشریٰ میں دعوت حق اور لوگوں کو تسلی کیلئے آوے گا پس فارقلیط کا مصداق اس روح کو سمجھنا کہ جو آدمیوں پر جن کی طرح نازل ہو اور ان میں حلول کرے بالکل غلط ہے۔ [۱۰] نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء کے بعد سے عامۃ نصاریٰ فارقلیط کے منتظر رہے اور یہ سمجھتے تھے کہ کوئی عظیم الشان نبی مبعوث ہو گا چنانچہ منتس عیسائی نے دوسری صدی عیسوی میں یہ دعویٰ کیا کہ میں وہی فارقلیط ہوں کہ جس کی حضرت مسیح نے خبر دی ہے بہت سے لوگ اس پر ایمان لے آئے جس کا مفصل تذکرہ ولیم میور مسیحی نے اپنی تاریخ کے تیسرے باب میں لکھا ہے اور یہ کتاب ۱۸۴۸ء میں طبع ہوئی۔ معلوم ہوا کہ علماء یہود اور نصاریٰ یہی سمجھتے تھے کہ فارقلیط سے کوئی انسان مراد ہے نہ کہ روح القدس۔

اور لب التواریخ کا مصنف جو کہ ایک مسیحی عالم ہے لکھتا ہے کہ محمد ﷺ کے قبل یہود ونصاریٰ ایک نبی کے منتظر تھے اور اسی وجہ سے نجاشی شاہ حبشہ جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے آپ کا حال

سن کر ایمان لایا اور کہا کہ بلاشک یہی وہ نبی ہیں کہ جن کی حضرت مسیح علیہ السلام نے انجیل میں خبر دی ہے حالانکہ نجاشی انجیل کا عالم ہونے کے علاوہ بادشاہ بھی تھا کسی قسم کا اس کو خوف وخطرہ بھی نہ تھا۔

اور مقوقس شاہ قبط نے آنحضرت ﷺ کے والا نامہ کے جواب میں یہ لکھا:

سَلَامٌ عَلَيْكَ اَمَّا بَعْدُ فَقَدْ قَرَأْتُ كِتَابَكَ وَ فَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ فِيْهِ وَمَا تَدْعُوْا اِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّ نَبِيًّا قَدْ بَقِيَ وَقَدْ كُنْتُ اٰمِنُوا اَنَّهٗ يَخْرُجُ بِالشَّامِ وَقَدْ اَكْرَمْتُ رَسُوْلَكَ۔

''سلام ہو آپ پر''امابعد'' میں نے آپ کا والا نامہ کو پڑھا اور جو کچھ آپ نے اس میں ذکر فرمایا ہے اور جس کی طرف دعوت دی ہے اس کو سمجھا، مجھ کو خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ اب صرف ایک نبی باقی رہ گیا ہے میرا گمان یہ تھا کہ وہ نبی شام میں ظاہر ہوگا اور میں نے آپ کے قاصد کا اکرام کیا۔''

مقوقس اگرچہ اسلام نہ لایا مگر اتنا ضرور کہا کہ ایک نبی کا آنا باقی رہ گیا ہے اور جارود بن علاء جو اپنی قوم میں بہت بڑے عالم تھے جب اپنی قوم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف با اسلام ہوئے تو یہ کہا:۔

وَاللّٰهِ لَقَدْ جِئْتُ بِالْحَقِّ وَنَطَقْتُ بِالصِّدْقِ لَقَدْ وَجَدْتُ وَصْفَكَ فِي الْاِنْجِيْلِ وَبَشَّرَلَكَ ابْنُ الْبَتُوْلِ ،فَطُوْلِ التَّحِيَّةَ لَكَ وَالشُّكْرِلِمَنْ اَكْرَمَكَ لَا اَثَرَ بَعْدَ عَيْنٍ وَلَا شَكَّ بَعْدِ يَقِيْنٍ مُدَّ يَدَكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ۔

''خدا کی قسم آپ حق لے کر آئے ہیں اور آپ نے سچ فرمایا البتہ تحقیق میں نے

آپ کی صفت انجیل میں پائی ہے اور مسیح ابن مریم نے آپ کی بشارت دی ہے آپ کیلئے طویل وعریض تحیہ، تکریم پیش کرتا ہوں اور شکر ہے اس کیلئے جو آپ کا اکرام کرے ذات کے بعد نشان کی اور یقین کے بعد شک کی ضرورت نہیں، اپنا دستِ مبارک بڑھائیے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یقیناً آپ محمد رسول اللہ ہیں۔" ﷺ

اور علیٰ ہذا ہرقل شاہِ روم اور دوسرے ذی شوکت علماء تورات وانجیل نے آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا اقرار کیا پس ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی بشارت اور آپ کا نام انجیل میں لکھا ہوا تھا جس کو دیکھ کر لوگ آپ پر ایمان لائے اور آپ کی آمد سے پہلے وہ آپ کے منتظر تھے جن کو خدا تعالیٰ نے توفیق دی اور کسی دنیوی طمع نے ان کو نہ گھیرا وہ اس دولت سے متمتع ہوئے۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ هَدٰنَا اللّٰهُ۔

[۱۰] اور سولہویں آیت کا یہ جملہ "کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا" اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فارقلیط خود بذاتہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا اس لئے کہ فارقلیط بمعنی روح جس کے نصاریٰ قائل ہیں وہ بھی ہمیشہ ان کے ساتھ نہ رہا بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی شریعت اور دین ابد تک رہے گا اور اس کے بعد کوئی دین نہ آئے گا جو اس کیلئے ناسخ ہو۔ [۱۲] اور باب ۱۴ کی سترہویں آیت کا یہ جملہ "یعنی سچائی کی روح جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے اور نہ جانتی ہے" آھ

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اس کے مرتبہ کو نہیں جانتی وہ تمام کائنات میں سب سے بہتر اور برتر ہوگا۔

نصاریٰ کے چند شبہات، اوہام اور اُن کا اِزالہ

شبہ اوّل:۔ روح الحق اور روح القدس سے اقنوم ثالث مراد ہے لہذا روح القدس اور روح الحق سے آنحضرت ﷺ مراد لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ عہد قدیم اور عہد جدید میں روح کا لفظ اقنوم ثالث کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ صالح اور طالع، ہادی اور مضل کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے چنانچہ یوحنا کے پہلے خط کے باب چہارم میں ہے:۔[۱] اے عزیزو ! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روح کو آزماؤ کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں [۲] خدا کی روح کو تم اس طرح پہچان سکتے ہو کہ جو کوئی روح اقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے [۳] اور جو کوئی روح یسوع کا اقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اور آیت ششم میں ہے ''اسی سے ہم حق کی روح اور گمراہی کی روح کو پہچان لیتے ہیں۔''

اس مقام پر روح سے واعظِ صادق اور واعظِ مضل مراد ہے، اقنوم ثالث کسی کے نزدیک مراد نہیں۔

شبہ ثانیہ:۔ اس بشارت میں خطاب حواریین کو ہے لہذا روح کا نزول وظہور حواریین کی موجودگی اور حیات میں ہونا چاہئے اور آنحضرت ﷺ کا ظہور حواریین کے صدہا سال کے بعد ہوا ہے۔

جواب:۔ حواریین کو خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت وہی حاضر تھے باقی وہ مقصود بالخطاب نہیں چنانچہ انجیل متی کے باب ۲۶ آیت ۶۴ میں ہے:۔ ''میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اس کے بعد تم ابن آدم کو آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے۔''

اب ان مخاطبین کو مرے ہوئے ۱۹ سو سال ہو گئے اور مخاطبین میں سے کسی نے بھی حضرت عیسیٰ کو آسمان سے آتے نہیں دیکھا۔ پس جس طرح اس مقام پر مقصود بالخطاب وہ لوگ ہیں کہ جو نزول من السماء کے وقت موجود ہوں گے اسی طرح اس بشارت میں وہ لوگ مقصود بالخطاب ہیں کہ جو روح حق اور فارقلیط کے ظہور کے وقت موجود ہوں گے۔

شبہ ثالثہ:۔ انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۳۰ میں جو سردار کا لفظ آیا ہے اس پر بعض شدید التعصب نصاریٰ مضحکہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سردار سے اس جگہ شیطان مراد ہے

جواب:۔ سردار سے شیطان مراد لینا سراسر جہالت ہے اور محض تعصب اور حسد پر مبنی ہے اس لئے کہ سردار عالم بول کر شیطان مراد لینا نہ کسی لغت سے ثابت ہے اور نہ کسی عرف سے اور سراسر سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے اس لئے کہ از اوّل تا آخر روح حق یعنی فارقلیط کا اور اس کے اوصاف کا تذکرہ ہے جس وقت اس فارقلیط کا ظہور ہو اس وقت اس پر ایمان لانے کی تاکید کی ہے اور پھر اس کی علت بایں الفاظ ذکر فرمانا: ''کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے'' یہ جب ہی صحیح ہوسکتا ہے کہ سردار جہاں سے سیّد العالمین اور سردار انبیاء والمرسلین مراد ہوں ورنہ معاذ اللہ اگر اس مقام پر سرادر سے شیطان مراد ہو تو شیطان کا آنا امور متذکرہ بالا کی علت کیسے ہوسکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ دنیا کے سردار سے وہی فارقلیط اور روح حق مراد ہے کہ جس کے ہاتھوں سے گناہ اور جرم پر دنیا میں شاہانہ اور حاکمانہ سزائیں دی جائیں گی اور انجیل یوحنا کے سولھویں باب درس ۱۱ میں جو یہ آیا ہے کہ دنیا کا سردار مجرم ٹھہرایا گیا یہ قطعاً غلط ہے اور بلا شبہ تحریف ہے جو سیاق وسباق کے بالکل خلاف ہے۔ ایک طرف تو فارقلیط کی صفات فاضلہ کا بیان ہو اور ایک طرف اس سے شیطان مراد ہو یہ کیسے ممکن ہے اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ علماء نصاریٰ کے نزدیک کبھی اس سے روح القدس مراد ہو کیا یہ صریح نادانی اور وسوسۂ شیطانی نہیں؟

دوم:۔ یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ وہ سردار جہان آنے والا ہے اس امر کی صریح دلیل ہے کہ وہ شخص ابھی تک دنیا میں نہیں آیا اور شیطان باتفاق یہود و نصاریٰ اور اہل اسلام ابتداء آفرینش افراد بشری سے دنیا میں موجود ہے اور لوگوں میں مختلط ہے شیطان مردود لوگوں کے ساتھ ہے وہ شیطان کہاں چلا گیا ہے کہ جس کی نسبت یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ اب آتا ہے کیا وہ پہلے سے موجود نہ تھا؟

سوم:۔ یہ کہ سردار کا اطلاق انجیل متی کے باب دوم کی آیت ششم میں حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام پر کیا گیا، عبارت انجیل حسب ذیل ہے:۔

"اے بیت لحم یہودہ کے علاقے تو یہودہ کے حاکموں میں ہرگز سب سے چھوٹا نہیں کیونکہ تجھ میں سے ایک سردار نکلے گا جو میری اُمت اسرائیل کی گلہ بانی کرے گا۔"

اس عبارت میں سردار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جیسا کہ آیت ہفتم سے آیت ۱۲ تک پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے بلکہ کتب سماویہ میں سردار اور حاکم کا اطلاق حق تعالیٰ پر بھی آیا ہے معلوم ہوا کہ سردار سے شیطان مراد لینا بالکل غلط ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۲۲:۔ از۔ انجیل متی باب ۱۳ آیت ۳۱

"[۳۱] اس نے ایک اور تمثیل ان کے سامنے پیش کر کے کہا کہ آسمان کی بادشاہت، س رائی کے دانے کے مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔
[۳۲] وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھ جاتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آ کر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔"

آسمانی بادشاہت سے شریعت اسلامیہ مراد ہے کہ جو ابتداء میں رائی کے دانے

کے برابر تھی لیکن چند ہی روز میں اس قدر بڑھی کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک پہنچ گئی اور قرآن کریم کی اس آیت شریفہ میں اسی بشارت کی طرف اشارہ ہے:۔

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

''اور ان کی صفت انجیل میں ہے کہ جیسے کھیتی کہ اس نے اپنا پٹھا زمین سے نکالا پس اس کو قوی کیا تو وہ موٹا ہو گیا اور اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور اپنی روز افزوں ترقی سے کسانوں کو خوش کرنے لگا اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ترقی اس لئے دی کہ کافروں کو اس وجہ سے غصہ میں لائے۔'' [الفتح:۲۹]

اور عجب نہیں کہ اسی مناسبت سے کلمہ طیبہ کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو:۔

كما قال الله تعالىٰ: اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝

''اے نبی کریم ﷺ آپ نے کیا دیکھا نہیں کہ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمہ طیبہ مثل ایک پاکیزہ درخت کے ہے کہ جس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں ہر وقت اپنے میوے اللہ کے حکم سے دیتا رہتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتے رہتے ہیں کیا عجب ہے کہ نصیحت قبول کریں۔'' [ابراہیم:۲۴،۲۵]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بشارت نمبر ۲۳:۔ از۔ انجیل متی باب ۲۰ آیت اوّل

"[۱] آسمان کی بادشاہت اس گھر کے مالک کے مانند ہے جو سویرے نکلا کہ اپنے انگوری باغ میں مزدور لگائے [۲] اور اس نے مزدوروں سے ایک دینار روز ٹھہرا کر انہیں باغ میں بھیج دیا پھر وہ دن چڑھنے کے قریب نکل کر اس نے اوروں کو بازار میں بے کار کھڑے دیکھا اور ان سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جو واجب ہے تمہیں دوں گا پس وہ چلے گئے پھر اس نے دوپہر اور تیسرے پہر کے قریب نکل کر ویسا ہی کیا اور کوئی ایک گھنٹہ دن رہے پھر نکل کر اوروں کو کھڑا پایا اور ان سے کہا تم کیوں یہاں تمام دن بے کار کھڑے رہے انہوں نے کہا اس لئے کہ کسی نے ہم کو مزدوری پر نہیں لگایا اس نے اس سے کہا تم بھی باغ میں چلے جاؤ جب شام ہوئی تو باغ کے مالک نے اپنے کارندے سے کہا کہ مزدوروں کو بلا اور پچھلوں سے لے کر پہلوں تک انہیں مزدوری دے دی جب وہ آئے جو گھنٹہ بھر دن رہے لگائے گئے تھے تو انہیں ایک دینار ملا تو گھر کے مالک سے یہ کہہ کر شکایت کرنے لگے ان پچھلوں نے ایک ہی گھنٹہ کام کیا اور تو نے انہیں ہمارے برابر کر دیا جنہوں نے دن بھر کا بوجھ اٹھایا اور سخت دھوپ سہی اس نے جواب دے کر ان میں سے ایک سے کہا میاں میں تیرے ساتھ بے انصافی نہیں کرتا کیا تیرا مجھ سے ایک دینار نہیں ٹھہرا تھا جو تیرا ہی ہے اٹھا لے چلا جا، میری مرضی یہ ہے کہ جتنا تجھے دیتا ہوں اس پچھلے کو بھی اتنا ہی دوں، کیا مجھے روا نہیں کہ اپنے مال کو جو چاہوں سو کروں یا تو اس لئے کہ میں نیک ہوں بُری نظر سے دیکھتا ہے اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔" (انتہیٰ)

گھر کے مالک سے رب العزت مراد ہیں اور انگور کے باغ سے دین الٰہی مراد ہے اور مزدوروں سے اُمتیں مراد ہیں اور مزدوروں کی وہ جماعت کہ جس نے سب سے آخر

میں ایک گھنٹہ کام کیا ہے یہ رسول اللہ ﷺ کی اُمت ہے جو سب سے اخیر میں تھی اور سب سے اوّل ہو گئی چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهُ اَخْبَرَهُ اَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اِنَّمَا بَقَاءُ كُمْ فِيْمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْاُمَمِ كَمَا بَيْنَ الصَّلٰوةِ الْعَصْرِ اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ اُوْتِىَ اَهْلُ التَّوْرٰبةِ التَّوْرٰبةَ فَعَمِلُوْا حَتّٰى اِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطاً قِيْرَاطاً ثُمَّ اُوْتِىَ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ الْاِنْجِيْلَ فَعَمِلُوْا اِلٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوْا فَاُعْطُوْا قِيْرَاطاً قِيْرَاطاً ثُمَّ اُوْتِيْنَا الْقُرْاٰنَ فَعَمِلْنَا اِلٰى غُرُوْبِ الشَّمْسِ فَاُعْطِيْنَا قِيْرَاطَيْنِ قِرَاطَيْنِ فَقَالَ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ رَبَّنَا اَعْطَيْتَ هٰؤُلَآءِ قِرَاطَيْنِ قِرَاطَيْنِ وَاَعْطَيْتَنَا قِيْرَاطاً قِيْرَاطاً وَنَحْنُ كُنَّا اَكْثَرُ عَمَلًا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ اَجْرِكُمْ مِنْ شَيْئٍ قَالُوْا لَا قَالَ وَهُوَ فَضْلِىْ اُوْتِيْهِ مَنْ اَشَاءُ۔

''ابن شہاب نے سالم سے اور سالم نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تمہارا دنیا میں رہنا بمقابلہ امم گذشتہ ایسا ہے جیسا نماز عصر سے غروب شمس تک۔ تورات والوں کو تورات دی گئی کام کرنا شروع کیا جب دو پہر ہوئی تو تھک گئے اور کام پورا نہ کر سکے ایک ایک قیراط ان کو دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی نماز عصر تک کام کیا پھر تھک گئے ان کو بھی ایک ایک قیراط دے دیا گیا۔ پھر ہم کو قرآن کریم دیا گیا ہم نے غروب آفتاب تک کام کیا ہم کو دو دو قیراط دیئے گئے تو تورات اور انجیل والوں نے یہ کہا کہ اے پروردگار آپ نے ان کو دو دو قیراط دیئے اور ہم کو ایک ایک حالانکہ ہمارا عمل زیادہ ہے اللہ عزوجل نے فرمایا کہ میں نے

تمہاری اُجرت میں کچھ کمی کی ہے؟ کہا نہیں، پس فرمایا رب العزت نے: یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔" [صحیح بخاری باب المواقیت ص:۷۹ ج:۱]

اور انجیل متی کی سولہویں آیت کا یہ جملہ کہ "اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔" بعینہ صحیح بخاری کی اس حدیث کے مطابق ہے:۔

حَدَّثَنَا اَبُوْهُرَيْرَةَ ﷺ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ۔

"یعنی زمانہ کے لحاظ سے ہم سب سے اخیر میں ہیں مگر دخول جنت میں حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے سب سے مقدم ہیں۔" [بخاری شریف ص۱۰۴۲ ج۲]

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ.

"وہ ان کو نیکی کا حکم دے گا اور ان کو برائی سے روکے گا۔"

تشریح:۔ معروف وہ ہے جسے شریعت نے اچھا اور منکر وہ ہے جسے شریعت نے برا قرار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ فرماتے ہیں کہ معروف سے مراد مکارم اخلاق اور صلہ رحمی ہے اور منکر سے مراد بتوں کی عبادت اور قطع رحمی ہے۔ مقاتل کہتے ہیں کہ معروف ایمان و توحید ہے جب کہ منکر شرک ہے۔ اگر عبداللہ بن عباس ﷺ کی تشریح کو اپنایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن نے ان لفظوں میں نبی شناسی کا وہی اخلاقی پیمانہ پیش کیا ہے جس کی مدد سے آغاز نبوت میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ ﷺ نے آپ ﷺ کو نبی مانا تھا، بہر کیف شریعت کی زبان سے معروف سے مراد نیکی یعنی اچھا عمل اور منکر سے مراد گناہ یعنی برا عمل ہے یا پھر یوں سمجھئے کہ معروف سے مراد توحید اور منکر سے مراد شرک ظلم عظیم ہے

﴿نظریہ وحدت ادیان کا تاریخی پس منظر﴾

بظاہر دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام دشمن لوگوں نے اسلام کے نصاب تعلیم میں تحریف پیدا کرنے اور اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کیلئے ایک جدید اصطلاح نکالی ہے جسے ''نظریہ وحدت ادیان'' کہتے ہیں لیکن اگر گہری نظر سے اسلام کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ بحیثیت نظریہ کے یہ کوئی نیا نظریہ نہیں ہے بلکہ اسلام کے ظہور کے ساتھ ہی اس نظریہ کی تاریخ ملتی ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ جس سوسائٹی میں اسلام کا ظہور ہوا تھا اسی سوسائٹی میں اسلام کی جو سب سے پہلی اپوزیشن تھی اس میں بھی یہ نظریہ موجود تھا یہ الگ بات ہے کہ رفتہ رفتہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ اپنی شکل وصورت بدلتا رہا مختلف ادوار میں مختلف شکل وصورت میں ظاہر ہوتا رہا۔ سیرت نبوی ﷺ کی ہلکی پھلکی معلومات رکھنے والا شخص بھی اس بات سے ناواقف نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں ہی دشمنان اسلام نے خواہ وہ یہود ونصاریٰ کی شکل میں ہوں یا بت پرست وتوہم پرست مشرکین کی شکل میں دونوں نے مل کر عوام الناس کو اسلام سے روکنے اور دور رکھنے کیلئے دو حربے استعمال کئے ہیں:۔

اوّلاً: جسمانی تکلیف وسزا اور زبردستی۔

ثانیا: سودے بازی اور ملمع سازی۔

اور ان دونوں حربوں کو انہوں نے بانیٔ اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ماننے والوں پر آزمایا جب دشمنان اسلام نے بانیٔ اسلام اور اہل ایمان کو ہر طرح کی جسمانی اور معاشی تکلیفیں دے کر آزمالیا کہ یہ کسی صورت میں بھی اپنے موقف سے باز نہیں

آنے والے تو پھر دشمنان اسلام سودے بازی پر اُتر آئے۔ قرآن حکیم میں کئی ایک مقامات پر اس کے متعلق ارشادات موجود ہیں مثلاً:۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝

"آپ ان سے کہئے جاہلو کیا تم مجھے یہ مشورہ دیتے ہو کہ میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کروں۔" [الزمر:۶۴]

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ [الانعام: ۵۶]

"کہہ دیجئے کہ مجھے روک دیا گیا ہے کہ "میں ان کی عبادت کروں جنھیں اللہ کے سوا تم پکارتے ہو" کہہ دیجئے بلاشبہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہ کروں گا اور ایسا کروں گا تو میں بہک گیا اور ہدایت یافتہ لوگوں سے نہ رہا۔"

بلکہ عام طور پر کتب تفسیر وسیرت میں سورۃ الکافرون کا سبب نزول اسی سودے بازی کو قرار دیا گیا ہے جب ہر طرف سے مشرکین کو ناکامی نظر آئی تو پھر انہوں نے سوچا کہ دین کے بارے میں سودے بازی کی جائے چنانچہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم آپ پر ایک بات پیش کرتے ہیں جس میں آپ کی درستگی ہے آپ ﷺ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم آپ کے معبود کی عبادت کرتے ہیں اب اگر ہم حق پر ہیں تو آپ نے اس سے ایک حصہ لے لیا اور اگر آپ حق پر ہیں تو ہم نے اس سے ایک حصہ لے لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۃ الکافرون نازل فرمائی۔ [تفسیر ابن کثیر ص ۶۰۲ ج ۵]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ٥

قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ ٥ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ٥ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ٥ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ٥ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ٥ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ ٥

''آپ کہہ دیجئے اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو میں اس کی عبادت نہیں کر سکتا، اور نہ تم عبادت کرتے ہو جو میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کرتا ہوں جو تم نے عبادت کی، اور نہ تم عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔''

یہ سورۂ مبارکہ ایک نص کی حیثیت رکھتی ہے جو ''نظریہ وحدت ادیان'' کے باطل ہونے میں بطور دلیل پیش کی جا سکتی ہے اس کے علاوہ قرآن حکیم میں اور بھی کئی ایک مقامات پر ایسی آیات موجود ہیں جو ایسا ہی مفہوم رکھتی ہیں۔ تو دین میں سودے بازی کے خواہشمند حضرات جب مزید بضد ہوئے تو آپ کے چچا ابو طالب کے پاس ایک وفد کی شکل میں تشریف لائے جبکہ کتب حدیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔ کافی غور وخوض کے بعد ایک راستہ سمجھ میں آیا کہ آپ کے چچا ابو طالب کے پاس جائیں اور مطالبہ کریں کہ وہ آپ کو آپ کے کام سے روک دیں، پھر انہوں نے اس مطالبے کو حقیقت و واقعیت کا جامہ پہنانے کیلئے یہ دلیل تیار کی کہ ان کے معبودوں کو چھوڑنے کی دعوت دینا اور یہ کہنا کہ یہ معبود نفع نقصان پہنچانے یا اور کچھ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے درحقیقت ان معبودوں کی سخت توہین اور بہت بری گالی ہے اور یہ ہمارے ان آباؤ اجداد کو احمق اور گمراہ قرار دینے کے بھی ہم معنی ہے جو اسی دین پر گزر چکے ہیں۔ قریش کو یہی راستہ سمجھ میں آیا اور انہوں نے بڑی تیزی سے اس پر چلنا شروع کر دیا۔

قریش ابوطالب کی خدمت میں

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ اشراف قریش سے چند آدمی ابوطالب کے پاس گئے اور بولے اے ابوطالب آپ کے بھتیجے نے ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہا ہے ہمارے دین کی عیب چینی کی ہے ہماری عقلوں کو حماقت زدہ کہا ہے اور ہمارے باپ دادا کو گمراہ قرار دیا ہے لہذا یا تو آپ انہیں اس سے روک دیں یا ہمارے اور ان کے درمیان سے ہٹ جائیں کیونکہ آپ بھی ہماری ہی طرح ان سے مختلف دین پر ہیں ہم ان کے معاملے میں آپ کیلئے بھی کافی رہیں گے۔اس کے جواب میں ابوطالب نے نرم بات کہی اور رازدانہ لب ولہجہ اختیار کیا چنانچہ وہ واپس چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ اپنے سابقہ طریقے پر رواں دواں رہتے ہوئے اللہ کا دین پھیلانے اور اس کی تبلیغ کرنے میں مصروف رہے۔[ابن ہشام ۱/ ۲۶۵]

ابوطالب کو قریش کی دھمکی

سرداران قریش ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور بولے اے ابوطالب آپ ہمارے اندر سن وشرف اور اعزاز کے مالک ہیں ہم نے آپ سے گذارش کی کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے نہیں روکا، آپ یاد رکھیں ہم اسے برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کو گالیاں دی جائیں، ہمارے عقل وفہم کو حماقت زدہ قرار دیا اور ہمارے خداؤں کی عیب چینی کی جائے ،آپ روک دیجئے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑ دیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا"

ابوطالب پر اس زوردار دھمکی کا بہت زیادہ اثر ہوا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بلا کر کہا: بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور ایسی ایسی باتیں کہہ گئے ہیں

اب مجھ پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہے۔"

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سمجھا کہ آپ کے چچا بھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے اور وہ بھی آپ کی مدد سے کمزور پڑ گئے ہیں اس لئے فرمایا: چچا جان خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو اس حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو نہیں چھوڑ سکتا۔" اس کے بعد آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، آپ ﷺ رو پڑے اور اٹھ گئے جب واپس ہونے لگے تو ابو طالب نے پکارا اور سامنے تشریف لائے تو کہا: بھتیجے جاؤ جو چاہو کہو خدا کی قسم میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی وجہ سے چھوڑ نہیں سکتا اور یہ اشعار کہے:۔

وَاللّٰہِ لَنْ یَّصِلُوْا اِلَیْکَ بَجُمْعِھِمْ حَتّٰی اُوَ سَّدَ فِیْ التُّرَابِ دَفِیْنًا

فَاصْدَعْ بِاَمْرِکَ مَا عَلَیْکَ غَضَاضَۃٌ وَابْشِرْ وَقَرَّ بِذَالِکَ مِنْکَ عیونَا

"بخدا وہ لوگ تمہارے پاس اپنی جمعیت سمیت بھی ہرگز نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں تم اپنی بات کھلم کھلا کہو، تم پر کوئی قدغن نہیں، تم خوش ہو جاؤ اور تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہو جائیں۔"

(اس واقعہ کی سند ضعیف ہے) جرح کیلئے الشیخ ابو عبدالرحمٰن فوزی بن عبداللہ بن محمد الأثری کی کتاب "تبصرۃ اولی الأحکام من قصص فیھا کلام" دیکھیں۔

قریش ایک بار پھر ابو طالب کی خدمت میں

پچھلی دھمکی کے باوجود جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنا کام کئے جا رہے ہیں تو ان کی سمجھ میں آگیا کہ ابو طالب رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ نہیں سکتے بلکہ اس بارے میں قریش سے جدا ہونے اور ان کی عداوت مول لینے کو تیار ہیں چنانچہ وہ لوگ ولید بن مغیرہ کے لڑکے عمارہ کو ہمراہ لے کر ابو طالب کے پاس پہنچے اور ان سے یوں عرض کیا:۔

"اے ابو طالب! یہ قریش کا سب سے بانکا اور خوبصورت نوجوان ہے آپ اسے لے لیں اس کی دیت اور نصرت کے آپ حقدار ہوں گے آپ اسے اپنا لڑکا بنالیں یہ آپ کا ہوگا اور آپ اپنے اس بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں جس نے آپ کے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے، آپ کی قوم کا شیرازہ منتشر کر رکھا ہے اور ان کی عقلوں کو حماقت سے دوچار بتلایا ہے، ہم اسے قتل کریں گے بس یہ ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی کا حساب ہے۔ابو طالب نے کہا: "خدا کی قسم کتنا برا سودا ہے جو تم مجھ سے کر رہے ہو تم اپنا بیٹا مجھے دیتے ہو کہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں، پالوں پوسوں اور میرا بیٹا مجھ سے طلب کرتے ہو کہ اسے قتل کر دو، خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا۔اس پر نوفل بن عبد مناف کا پوتا مطعم بن عدی بولا! خدا کی قسم اے ابو طالب تم سے تمہاری قوم نے انصاف کی بات کہی ہے اور جو صورت تمہیں ناگوار ہے اس سے بچنے کی کوشش کی ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم ان کی کسی بات کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔جواب میں ابو طالب نے کہا: "بخدا تم لوگوں نے مجھ سے انصاف کی بات نہیں کی ہے بلکہ تم بھی میرا ساتھ چھوڑ کر میرے مخالف لوگوں کی مدد پر تلے بیٹھے ہو تو ٹھیک ہے جو چاہو کرو۔" [الرحیق المختوم:۱۳۹،۱۴۰]

نوٹ:۔ تو ان دلائل اور واقعات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے اسلام کے ابتدائی دور میں بھی اسلام مخالف قوتوں نے دین میں سودے بازی کرنے کی بھر پور کوشش کی لیکن بانیٔ اسلام جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی طرح بھی اسے قبول نہ کیا بلکہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے تو آج اس نظریے کی بنیاد بھی حقیقت میں دین میں سودے بازی کرنا ہے جو کسی بھی صورت میں جائز نہیں کیونکہ اس نظریئے کا مفہوم بھی یہی ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں، اسلام بھی ایک سچا مذہب ہے لہذا کسی مذہب پر بھی عمل کر کے آخرت

میں نجات پائی جا سکتی ہے اگر بالغرض اس نظریئے کو قبول کر ہی لیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے یہ ایک سوال ہے جو اپنے اندر کئی جوابات رکھتا ہے مثلاً:۔

اس نظریئے کو قبول کرنے کا سب سے پہلا اور بڑا نقصان یہ ہے کہ آدمی کے عقیدے میں زبردست فرق پڑتا ہے بلکہ یوں سمجھئے کہ عقیدہ بالکل خراب ہو جاتا ہے اور عقیدہ ہی دین میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی قوموں سے سب سے پہلا جو اختلاف کیا وہ عقیدے کا ہی اختلاف تھا اگر دین میں عقیدے کو نکال دیا جائے تو انسان کی ساری کی ساری عبادت بے معنی اور بے کار ہو جاتی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے کا مقصد ہی ختم ہو جاتا ہے جس طرح جسم سے روح نکل جائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح دین سے عقیدے کو نکال دیا جائے تو دین بیکار اور بے جان ہو کر رہ جاتا ہے اور سورۃ الکافرون ہمیں اسی بات کا سبق سکھاتی ہے یعنی عقیدہ ولاء اور براء یعنی اللہ کے دوستوں سے دوستی اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے یہی ملت ابراہیمی کی اساس اور بنیاد ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں:۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْقَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ۔

"یقیناً تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں اچھا نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا کہ ہم تم سے بیزار ہیں اور ان سے بھی جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو ہم تمہارے منکر ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کھلی دشمنی اور عداوت پیدا ہو چکی ہے حتی کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ۔" [الممتحنہ:۴]

تشریح:۔ امام ابن قیمؒ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ میں اہل اسلام کو کفار کی دوستی سے منع کیا گیا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے کفر پر قائم رہیں ان سے دشمنی، عداوت رکھی جائے یہ وہی توحید ہے جس کی طرف تمام انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا معنی بھی یہی ہے کہ خالص اللہ کی بندگی کی جائے، زندگی کے ہر معاملے میں دوستی اور دشمنی کا معیار بھی یہی عقیدہ توحید ہو اور اللہ رب العالمین کے علاوہ ہر معبود کا انکار کیا جائے، اسکے دشمنوں سے دشمنی رکھی جائے، عقیدہ ولاء اور براء بیک وقت دل میں بھی ہو اور عمل سے بھی چھلکتا ہوا نظر آئے۔''

یہی وہ ملت ابراہیمی ہے جس کی پیروی کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دیا تھا:۔ ثُمَّ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّۃَ اِبْرَاھِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۞ ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ یکسو رہنے والے ابراہیم کی ملت کی اتباع کیجئے اور وہ مشرک نہ تھے۔'' [النحل:۱۲۳]

ہم قرآن حکیم سے مزید چند آیات ذیل میں نقل کرتے ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے:۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰۃً وَ یُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ۞

''مومنوں کو اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو ہرگز دوست نہ بنانا چاہئے اور جو ایسا کرے گا تو اسے اللہ سے کوئی واسطہ نہیں اِلّا یہ کہ تمہیں ان کافروں سے کسی قسم کا اندیشہ ہو اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' [آل عمران:۲۸]

تشریح :۔ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مومنوں کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں سے معاملات اور دوستی رکھیں یا مسلمانوں کو چھوڑ کر انہیں اپنا دوست بنائیں اور ان سے دوستی کا اظہار کریں اور اس حکم عدولی پر یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ اس سے بری ہے۔"

اور امام فخر الدین رازیؒ اپنی تفسیر کبیر میں مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنی چاہیے کہ کسی مومن کی کافر کے ساتھ معاملات کی تین صورتیں ہیں:۔

۱۔ مومن کافر کے کفر سے راضی ہو اور اسی وجہ سے اس سے محبت اور دوستی کرتا ہو تو یہ منع ہے کیونکہ جس نے بھی ایسا کیا گویا اس نے اس مذہب کو ٹھیک قرار دیا اور کفر کو ٹھیک قرار دینا کفر ہے اور کفر سے راضی ہونا کفر ہے ایسا کرنے کے بعد ناممکن ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان رہ جائے۔

۲۔ دنیا میں ظاہری طور پر کافروں سے حسن سلوک رکھے یہ ممنوع نہیں ہے۔

۳۔ دونوں صورتوں کے بیچ کی راہ ہے کہ وہ کافروں کی طرف مائل ہو اور یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ ان کا دین باطل ہے صرف قرابت یا دوستی کی بنیاد پر ان کی کچھ مدد اور تائید وغیرہ کرے تو یہ کفر تو نہیں ہے لیکن یہ بھی ممنوع ہے کیونکہ اس معنی میں معاملات آہستہ آہستہ ان کے راہ ورسم اور طور طریقہ کو اچھا سمجھنے اور ان کے دین سے رضامندی کا سبب بنے گی اور اس طرح وہ اپنے مذہب سے خارج ہو جائے گا۔"

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝

"اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ کیا تم اپنے آپ پر اللہ کی صریح حجت قائم کرنا چاہتے ہو؟۔"

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا دوست نہ بناؤ یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم میں سے کسی نے ان کو دوست بنایا تو وہ بھی انہی میں سے ہے یقیناً اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۝

"آپ دیکھیں گے کہ جن لوگوں کے دلوں میں روگ ہے وہ انہی (یہود ونصاریٰ) میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں کہتے ہیں کہ: ہم ڈرتے ہیں کہ کسی مصیبت میں نہ پڑ جائیں، ممکن ہے کہ جلد ہی اللہ (مومنوں کو) فتح عطا کرے یا اپنی طرف سے کوئی بات ظاہر کر دے تو جو کچھ یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں ان پر نادم ہو کر رہ جائیں۔" [المائدۃ:۵۱،۵۲]

وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝

"نہ ہی ان لوگوں کی طرف جھکنا جنہوں نے ظلم کیا ورنہ تمہیں بھی آگ آ لے گی پھر تمہیں کوئی سرپرست نہ ملے گا جو تمہیں اللہ سے بچا سکے نہ ہی تمہیں مدد پہنچے گی۔" [ھود:۱۱۳]

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ○

''اور یہودی اور نصاریٰ تو آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہ کریں، آپ (ان سے) کہئے کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی ہے اور اگر آپ علم آنے کے بعد ان کی خواہشات کی اتباع کریں گے تو آپ کو اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا۔'' [البقرۃ:۱۲۰]

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَهُمْ رٰکِعُوْنَ○

''(ایمان والو!) تمہارے دوست صرف اللہ اور اس کا رسول اور ایمان لانے والے ہیں جو صلاۃ قائم کرتے، زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکنے والے ہیں۔'' [المائدۃ:۵۵]

وَمَنْ یَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ.

''اور جو شخص اللہ کو، اس کے رسول اور مومنوں کو دوست بنا لے (وہ یقین رکھے کہ) اللہ کی جماعت ہی غالب ہو کر رہے گی۔'' [المائدۃ:۵٦]

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ○

''اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے اور کافروں میں سے ایسے لوگوں کو دوست نہ بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی مذاق بنا رکھا ہے اور اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔'' [المائدۃ:۵۷]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ○

''اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو شریک بناتے ہیں وہ انہیں یوں محبوب رکھتے ہیں جیسے اللہ کو رکھنا چاہئے اور اہل ایمان سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھتے ہیں کاش ظالموں کو آج یہ بات سوجھ جائے جو انہیں عذاب دیکھ کر سوجھے گی کہ قوت تمام اللہ کی ہے اور اللہ شدید عذاب دینے والا ہے۔'' [البقرۃ:١٦٥]

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ.

''اور جو لوگ اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں آپ انہیں ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ اور رسول کے مخالفین سے دوستی کرتے ہوں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے ہوں یا بھائی یا کنبہ والے ہوں یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان ثبت کر دیا ہے۔'' [المجادلۃ:٢٢]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ○

''اے ایمان والو! اپنے سوا کسی (غیر مسلم) کو اپنا راز دار نہ بنا ناوہ تمہاری خرابی کیلئے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے وہ چاہتے ہیں تم مصیبت اٹھاؤ ان کی دشمنی ان کی زبانوں پر

بے اختیار آ جاتی ہے اور جو وہ اپنے دلوں میں چھپائے بیٹھے ہیں وہ شدید تر ہے ہم نے تمہیں واضح ہدایات دی ہیں اگر تم سوچو گے (تو محتاط رہو گے)۔" [ال عمران:۱۱۸]

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْاۤ اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ٥

"اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں تو انہیں بھی اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو شخص انہیں دوست بنائے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔" [التوبہ:۲۳]

تشریح:۔ ان آیات کا بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ "وحدت ادیان" کا نظریہ قبول کرنے سے آدمی کے عقیدے پر کیا اثر پڑتا ہے یہ عقیدہ قبول کر لینے کے بعد شریعت میں ولاء و براء (وفاداری اور بے زاری) نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ سکتی بلکہ وہ ملت ابراہیمی جس کی اساس ہی ولاء و براء پر ہے ایک غیر مقبول ملت بن کر رہ جائے گی اور قرآن کی وہ آیات جن میں وضاحت ہے کہ ولاء (وفاداری) صرف اللہ، رسول اور مومنین کیلئے اور براء (بیزاری) اللہ کے دشمنوں اور کافروں کیلئے ہے ان پر عمل ممکن نہیں رہے گا بلکہ ہر مسلمان یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کو اپنا دوست و رفیق بنانے پر مجبور ہوگا۔

اب نبوت کی زبان سے نکلے ہوئے چند فرامین بھی سماعت فرمائیں تا کہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے یعنی عقیدہ ولاء اور براء رسول اللہ ﷺ کے فرامین کی روشنی میں:۔

۱) عَنْ اَبِىْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰى لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِيْمَانَ .رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد ،رَوَاهُ التِّرْمَذِىُّ عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ مَعَ تَقْدِيْمٍ وَتَاخِيْرٍ وَفِيْهِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ اِيْمَانَهٗ.

''حضرت ابو امامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کیلئے محبت رکھے اور اسی کیلئے دشمنی رکھے اللہ ہی کیلئے دے اور اللہ ہی کیلئے بخل کرے اس نے ایمان کامل کرلیا۔ترمذی نے معاذ بن انس سے کسی قدر تقدیم و تاخیر سے روایت کیا اسمیں استکمل ایمان کے الفاظ ہیں۔'' [ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ص ۱۴]

۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ .

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب عملوں سے افضل عمل اللہ کیلئے محبت اور اللہ ہی کی راہ میں بغض ہے۔'' [ابوداؤد بحوالہ مشکوۃ ص ۱۵]

۳) حضرت ابو ہریرہ ؓ بیان فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

اَنَّ رَجُلاً زَارَ اَخَالَہٗ فِیْ قَرْیَۃٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰہُ لَہٗ عَلٰی مَدْرَجَتِہٖ مَلَکًا ،فَلَمَّا اَتٰی عَلَیْہِ قَالَ :اَیْنَ تُرِیْدُ ؟قَالَ اُرِیْدُ اَخَالِیْ فِیْ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ قَالَ:ھَلْ لَکَ عَلَیْہِ مِنْ نِعْمَۃٍ تَرُبُّھَا ؟قَالَ:لَا غَیْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُہٗ فِی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکَ بِاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَبَّکَ کَمَا اَحْبَبْتَہٗ فِیْہِ.

''ایک آدمی دوسری بستی کی طرف اپنے دینی بھائی کی ملاقات کیلئے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کردیا جب وہ اس فرشتے کے پاس پہنچا تو اس فرشتہ نے پوچھا: کہاں جارہے ہو؟ اس نے کہا: اس بستی میں اپنے بھائی کے پاس جارہا ہوں، فرشتے نے پوچھا: کیا تو نے اس پر کوئی احسان کیا ہے جسے بڑھانا چاہتا ہے؟: کہا: نہیں بس اتنی سی بات ہے کہ اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر میں اس سے محبت کرتا ہوں، فرشتے نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس پیغمبر بن کر آیا ہوں (پیغمبر سے مراد یہاں پیغام دینے والا

آیا ہوں کہ اللہ کو تیرا یہ عمل پسند ہے) جس طرح تو نے اللہ کی رضا کی خاطر اس سے محبت کی ہے اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت فرماتے ہیں۔"

[صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ باب فضل الحب فی اللہ، ص:۳۱۷]

۴) اور مسلم کی ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "قیامت کے دن اللہ کریم فرمائیں گے کہ میری بزرگی کیلئے آپس میں محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انہیں اپنے سایہ میں رکھوں اور آج کے دن کوئی سایہ نہیں سوائے میرے سائے کے۔"

[صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ ،باب فضل الحب فی اللہ ص:۳۱۷]

۵) اور بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ: "قیامت کے دن سات قسم کے لوگ ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اللہ کے عرش کے سائے کے علاوہ اور کوئی سایہ نہیں ہوگا ان میں سے دو دوست جو اللہ تعالیٰ کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں وہ بھی اللہ کے عرش کے سائے تلے ہوں گے۔" [صحیح بخاری]

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِيْ اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ.

"وہ دو آدمی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کیلئے دوستی رکھی اور زندگی بھر دوست رہے اور دوستی ہی پر مرے۔" [صحیح بخاری]

۶) حضرت جریر بن عبد اللہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ جب میں ایمان لانے کیلئے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ میرے اوپر جو شرط لگانا چاہیں لگائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:۔

تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُصَلِّي الصَّلَاةَ الْمَكْتُوبَةَ وَتُؤَدِّي الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَتَنْصَحُ الْمُسْلِمَ وَتَبَرَأُ مِنَ الْكَافِرِ.

"اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ دو، مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرو اور کافر سے برأت کا اظہار کرو۔

[مسند احمد ۴/ ۳۵۷، ۳۵۸]

۷) حضرت معاویہ بن جیدہ رضی اللہ عنہ جب اسلام قبول کرنے کیلئے نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور دین اسلام کی بنیادی باتوں کی معلومات حاصل کرنا چاہیں تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں جو اصولی باتیں بتلائیں تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ:۔

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِکٍ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلاً اَوْ یُفَارِقُ الْمُشْرِکِیْنَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ.

"اللہ تعالیٰ کسی مشرک کے اسلام لانے کے بعد اس کا کوئی عمل اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک وہ مشرکین سے جدا ہو کر مسلمانوں کے پاس نہ آجائے۔"

[مسند احمد ۵/ ۴، سنن النسائی ۵/ ۸۳]

۸) اور ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

اَنَا بَرِیْءٌ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ یُقِیْمُ بَیْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِکِیْنَ.

"میں ہر اس مسلمان سے برأت کا اظہار کرتا ہوں جو مشرکین کے ساتھ قیام پذیر ہے۔" [سنن ابوداؤد و سنن الترمذی ۱۶۰۵، السیر، باب ۴۲ عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ]

تشریح:۔ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے بھی یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص مسلمان ہونے کے باوجود مشرکین اور کافرین سے دوستی رکھتا ہے یعنی اپنے معاملات میں ان کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ ایک مومن مسلمان کی دوستی اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان لوگوں سے ہونی چاہیے کیونکہ یہ بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

۹) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔ اَوْثَقُ عُرَی الْاِیْمَانِ الْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ ۔ ''ایمان کا سب سے مضبوط کڑا اللہ کی رضا کی خاطر محبت اور اللہ کی رضا کی خاطر بغض رکھنا ہے۔'' [مسند احمد ۴/۲۸۶]

۱۰) حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب میں خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوا تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں حالانکہ میں اتنی بار (اپنے دونوں پہنچوں کی انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) قسم کھا چکا تھا کہ نہ آپ کے پاس آؤں گا اور نہ ہی آپ کا دین قبول کروں گا، اس وقت میں بجز اس کے کچھ نہیں جانتا جو اللہ اور اس کے رسول مجھے سکھلائیں اور میں آپ سے اللہ کے واسطے سوال کرتا ہوں کہ مجھے وہ چیزیں بتلائیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دے کر ہماری طرف بھیجا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے مجھے اسلام دے کر بھیجا ہے، میں نے عرض کیا کہ اسلام کے احکام و آداب کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

قُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِیَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَ تَخَلَّیْتُ وَ تُقِیْمُ الصَّلَاۃَ وَ تُؤْتِی الزَّکٰوۃَ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ مُحَرَّمٌ اَخَوَانِ نَصِیْرَانِ لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ مِنْ مُشْرِکٍ بَعْدَ مَا اَسْلَمَ عَمَلًا اَوْیُفَارِقُ الْمُشْرِکِیْنَ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ ۔

''کہو میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور کفر و شرک سے قطع تعلق کر لیا اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر حرام ہے مسلمان مسلمان کا بھائی اور مددگار ہے اللہ تعالیٰ کسی مشرک سے اسلام لانے کے بعد کوئی عمل قبول نہیں کرتا جب تک کہ وہ مشرکوں سے جدا ہو کر مسلمانوں کے پاس نہ آجائے۔''

[مسند احمد ۵/۴، سنن النسائی ۵/۷۳]

۱۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ

اِلَّا تَقِیٌّ. ''ساتھی (دوست) صرف مومن کو بناؤ اور تمہارا کھانا صرف متقی لوگ ہی کھائیں'

۱۲) ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ ۔ ''آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم یہ دیکھو کہ کس سے دوستی کر رہے ہو۔''

۱۳) ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ .

''جس نے اللہ ہی کیلئے کسی سے محبت کی اور اللہ ہی کیلئے کسی سے دشمنی کی اور جو کچھ دیا اللہ ہی کی رضا کیلئے دیا اور جو کچھ روکا وہ بھی اللہ ہی کیلئے روکا تو اس نے اپنے ایمان کی تکمیل کرلی۔'' [ابوداؤد]

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ کَفَرُوْا بِمَا جَآءَکُمْ مِّنَ الْحَقِّ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا فِیْ سَبِیْلِیْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِیْ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَیْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ وَمَنْ یَّفْعَلْهُ مِنْکُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝

''اے ایمان والو! میرے اور خود اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آچکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کیلئے اور میری رضا مندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان

سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ راہ راست سے بھٹک جائے گا۔" [الممتحنة :1]

نوٹ :۔ قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ اور نبی کریم ﷺ کی چند احادیث مبارکہ سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ وحدت ادیان کے نظریہ کو قبول کرنے سے آدمی کے عقیدہ میں کتنی خرابی پیدا ہوتی ہے اور دین میں عقیدہ ہی ایک بنیادی چیز ہے اگر بغیر عقیدہ کے ہی عبادت کی جائے تو پھر انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کیلئے مبعوث کیا تھا وہ مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کیلئے اللہ تعالیٰ نے جو اتنے انبیاء کو مبعوث کیا اس کا مقصد صرف ایک ہی تھا کہ وہ آسمانی ہدایت (یعنی صحیح عقیدے) کے مطابق اللہ کی عبادت کر کے آخرت میں کامیاب ہو جائیں ورنہ ان لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کی رسومات اور طور طریقوں سے منع کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ بھی تو ایک نظریئے اور عقیدے کے مطابق اپنے خالق کو یاد کرتے اور پکارتے تھے، منع کرنے میں یہی راز تھا کہ اس نظریئے اور عقیدے کے مطابق کی ہوئی عبادت عند اللہ مقبول نہیں بلکہ مردود تھی اور ان انسانوں سے اصل وفا اور ہمدردی یہی تھی کہ ان کو آسمانی ہدایت کا پابند لیا جائے، طوالت کے خوف کی وجہ سے ہم اپنے اٹھے ہوئے سوال کے جواب میں اسی ایک نقطہ پر اکتفاء کرتے ہیں کہ نظریہ وحدت ادیان کو قبول کرنے کے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں یہ پہلا پوائنٹ ہی حرف آخر اور بے حد اہم تھا اس لئے ہم نے اسی پہ اکتفاء کرتے ہوئے اپنی بات کو ختم کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دین اسلام کا مقام ومرتبہ

اسلام کو بطور دین اللہ نے پسند کر لیا قرآن کے اصل الفاظ ہیں [رضیت لکم الاسلام دینا] یہاں یہ گمان کرنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا کہ اس آیت کریمہ میں اسلام سے مراد عام مفہوم کا اسلام ہے نہ کہ مخصوص اصطلاحی اسلام، اس لئے اس سے مراد ہر آسمانی مذہب کی پیروی ہو سکتی ہے، اس گمان کی یہاں اس لئے کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ الاسلام استعمال کیا گیا ہے نہ کہ مطلق اسلام۔

جیسا کہ عربی زبان کے اصول کا تقاضا ہے کہ قرآن جب الاسلام بولتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے اسلام کا محض لغوی یا عام مفہوم نہیں ہوتا بلکہ ''اصطلاحی'' مفہوم ہی ہوتا ہے لیکن اس بات سے اتفاق نہ کیا جائے پھر بھی اوپر کے استدلال پر کوئی اثر نہیں پڑتا حقیقت پھر بھی وہی رہے گی جو بیان کی گئی کیونکہ اس صورت میں آیت کا مفہوم یہی ہوگا کہ اللہ کے نزدیک صحیح مقبول طریقِ بندگی یہ ہے کہ اس کی کامل اطاعت کی جائے اور اپنے آپ کو پوری طرح اس کے حوالہ کر دیا جائے۔ غور فرمایئے کیا اس مفہوم ومعنی کا حاصل اور عملی نتیجہ کچھ اور ہوگا یقیناً نہیں کیونکہ حضور انور ﷺ کے عالمی پیغمبر کی حیثیت سے آجانے کے اللہ کی کامل اطاعت کی اور اپنے آپ کو پوری طرح حوالہ کر دینے کی کوئی صورت اس کے سوا باقی نہیں رہ جاتی کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور آپ ہی کی پیروی کی جائے کیونکہ قرآن صراحت کے ساتھ یہ اعلان کر چکا ہے کہ یہ رسالت ساری دنیا کیلئے ہے اور ہمیشہ کیلئے ہے اب اگر کوئی شخص اس رسالت پر ایمان نہیں لاتا یا آپ ﷺ کو سچا رسول ماننے کے باوجود آپ ہی کی پیروی کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو یہ اللہ کی کامل اطاعت نہیں بلکہ اپنے نفس کی کامل اطاعت ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نافرمانی ٹھہرے گی پھر یہ بات یہیں ختم

نہیں ہو جاتی ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:۔ ''اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کیلئے بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا کہ میری پیروی کریں۔''

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مسئلہ کو اس حد تک واضح کر دیتا ہے جس کے بعد وضاحت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ جاتا ہے۔ جس نبی کی حیثیت یہ ہو کہ دوسرے انبیاء اگر اس زمانے میں موجود ہوتے تو وہ بھی اسی کے اُمتی اور پیرو بنتے اور ان کی لائی ہوئی شریعتوں کی پیروی کی گنجائش خود ان کیلئے باقی نہ رہتی، اس کی پیروی کی ذمہ داری اور ضرورت سے بھلا کوئی عام انسان کیسے مستثنیٰ رہ سکتا ہے اور اس لائے ہوئے دین کی موجودگی میں کوئی اور دین اس کیلئے کس طرح قابل اتباع ہو سکتا ہے بہر حال اس آیت کریمہ میں [رضیت لکم الاسلام دینا] اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ آخرت کی نجات اسلام ہی پر موقوف ہے کیونکہ جب ہر شخص کیلئے اسلام کی پیروی ضروری ہے اور اب کوئی دین اللہ کے حضور پسندیدہ اور قابل قبول نہیں ہے تو اس کے صاف معنے یہ ہیں کہ اسلام ہی شرط نجات ہے۔ واضح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جن شریعتوں کو اب خود منسوخ اور نا قابل قبول ٹھہرا چکا ہے اس کی پیروی پر وہ اجر کیسے دے گا۔

[وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ] فرمانے کے بعد ہی وہ اپنے اس فیصلے کا بھی اعلان کرتا ہے کہ [وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ] ایسا شخص آخرت میں قطعاً نامراد رہے گا۔

نبی کریم ﷺ اسی فیصلہ خداوندی کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَا يَسْمَعُ بِيْ اَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ يَهُوْدِيٌّ

وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَا يُؤْمِنُ بِي وَبِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ۔

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس اُمت کا کوئی بھی فرد خواہ یہودی ہو یا نصرانی جو میرے بارے میں سن لے پھر جب تک مجھ پر اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے۔'' [صحیح مسلم ص ۸۶]

اس بات کی مزید وضاحت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے:۔

تَجِيءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِيءُ الصَّلَاةُ فَتَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَا الصَّلَاةُ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، فَتَجِيءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَا الصَّدَقَةُ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِيءُ الصِّيَامُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنَا الصِّيَامُ، فَيَقُولُ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذٰلِكَ، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، ثُمَّ تَجِيءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ: يَا رَبِّ أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ، بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِي فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالَى عَزَّوَجَلَّ فِي كِتَابِهِ [وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ]

''اعمال خیر قیامت کے دن اللہ کے حضور پیش ہوں گے، نماز آئے گی اور کہے گی: اے میرے رب میں نماز ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر زکوۃ وصدقہ آئے گا اور کہے گا: اے میرے رب میں صدقہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر روزہ آئے گا اور اللہ کے سامنے کھڑا ہو کر عرض پرداز ہوگا اے میرے رب میں روزہ ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے۔ پھر اسی طرح سارے اعمال خیر آئیں گے اور

اللہ تعالیٰ ہر ایک سے یہی فرمائے گا[اِنَّکَ عَلٰی خَیْرٍ][تو اچھی چیز ہے] پھر اسلام آئے گا اور کہے گا اے رب تو سلام ہے اور میں اسلام ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو اچھی چیز ہے آج تجھی کو بنیاد بنا کر میں کسی کو پکڑوں گا اور تجھی کو بنیاد بنا کر کسی کو دوں گا۔ کیونکہ اپنی کتاب میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے[وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ]اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرتا ہے تو اس سے وہ قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت کے دن نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“[مسند احمد ۲/۳۶۲]

﴿اسلام کی عظمت کی ایک مثال﴾

فتح مکہ کے دن اسلام لانے سے قبل ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اہل مکہ کے سرادر تھے عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضری کیلئے آئے، آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے کہا کہ:”ھذا ابو سفیان و عائذ بن عمرو “(یہ ابوسفیان اور عائذ بن عمرو آرہے ہیں) آپ ﷺ نے اس جملے کو درست کرتے ہوئے فرمایا کہ(ھٰذَا عَائِذُ بْنُ عَمْرٍو وَ اَبُوْ سُفْیَانَ)(یہ عائذ بن عمرو اور ابوسفیان آرہے ہیں) پھر رسول اللہ ﷺ نے رہتی دنیا تک آنے والے مسلمانوں کو یہ ایک اصول دے دیا کہ:اَلْاِسْلَامُ اَعَزُّ مِنْ ذٰلِکَ ، اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی ”اسلام کا مقام اس سے کہیں اونچا ہے(کہ کسی مسلمان سے کافر کا نام لیا جائے)،اسلام بلند ہے، اس پر کوئی دوسرا مذہب اونچا نہیں ہو سکتا۔“[سنن دارقطنی ۳۹۰،سنن کبریٰ بیہقی ۶/ ۲۰۵]

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ ﷺ فَقُلْتُ اُبْسُطْ یَمِیْنَکَ فَلِاُ بَایِعَکَ فَبَسَطَ یَمِیْنَہٗ فَقَبَضْتُ یَدِیْ فَقَالَ مَالَکَ یَا عَمْرُو قُلْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اَشْتَرِطَ قَالَ تَشْتَرِطُ مَا ذَا قُلْتُ اَنْ یُّغْفَرَلِیْ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ یَا عَمْرُو اِنَّ

اَلْاِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَاِنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا وَاِنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ .

''عمرو بن عاص ؓ سے روایت ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا میں نے عرض کیا آپ ہاتھ پھیلائیں تا کہ میں آپ کی بیعت کروں، آپ نے ہاتھ پھیلایا تو میں نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا، آپ نے فرمایا: عمرو تمہیں کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا ایک شرط کرنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا: تم کیا شرط کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میرے (سابقہ گناہ) معاف کر دیئے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام، ہجرت اور حج پہلے سب گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔'' [صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۴]

فقہ الحدیث:۔ اسلام، ہجرت اور حج تینوں کے متعلق فرمایا یہ اپنے سے پہلے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام گناہوں کو مطلقاً ختم کر دیتا ہے خواہ وہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد۔ ہجرت اور حج صرف حقوق اللہ معاف کراتے ہیں حقوق العباد نہیں۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے کہ شہید کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں مگر قرض معاف نہیں ہوتا:۔

عَنِ الْمِقْدَادِ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ اِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ.

''حضرت مقداد ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا زمین پر کوئی مٹی کا گھر (مکان) اور اُون کا گھر (خیمہ) نہیں رہے گا مگر اسلام اس میں داخل ہو کر رہے گا

کوئی عزت سے مانے یا ذلت سے مگر جو لوگ اسے عزت سے قبول کریں گے وہ اس کے اہل (محافظ) ہوں گے یا وہ ذلت کے ساتھ اس کی اطاعت کریں گے، میں نے کہا فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ "پورے کا پورا دین اللہ کیلئے ہوگا۔"

[مسند احمد بحوالہ مشکوۃ ص:۱۶]

فقہ الحدیث :۔اس حدیث کو حاکم ،طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، یہاں زمین سے مراد عرب کی زمین ہے یا تو لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور یا پھر جزیہ دے کر ذلت کی زندگی بسر کریں گے غلبہ صرف اللہ کے دین اسلام کا ہوگا۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاقَ طَعْمَ الْاِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا .

''حضرت عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو دین اور آنحضرت ﷺ کو اپنا رسول مان لیا اس نے ایمان کا پورا مزہ پالیا۔ [صحیح مسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۱۲]

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذَالِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَائَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ [متفق عليه] اِلَّا اَنَّ مُسْلِمًا لَمْ يَذْكُرْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ.

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ کلمہ توحید اور میری نبوت کا اقرار نہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں جب وہ ایسا کرلیں تو ان کا مال اور جان

محفوظ ہوگا مگر اسلام کے حق سے۔" [بخاری، مسلم] مسلم کی روایت میں اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کا ذکر نہیں۔ (اسلام کے حق سے مراد یہ ہے کہ اسلامی قانون کی خلاف ورزی پر ان کے جان و مال غیر محفوظ ہو جائیں گے)۔ [بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۲]

عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قُلْ لِّيْ فِي الْاِسْلَامِ قَوْلًا لَا اَسْأَلُ عَنْهُ اَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ رَوَايَةٍ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ .

"حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ثقفی فرماتے ہیں میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتائیں کہ آپ کے بعد کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، ایک روایت میں ہے کسی غیر سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے، فرمایا نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر ایمان کا اقرار کر پھر استقامت سے اس پر جم جاؤ۔" [مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۲]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ادیان میں اختلاف کی وجہ

یہاں ذہن میں یہ خلش محسوس ہوتی ہے اگر تمام نوع انسانی کیلئے اللہ کا مقبول و محبوب دین اسلام ہی ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام اسی کی دعوت و تبلیغ کیلئے آئے اور اسی کی جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہوئی ہے تو پھر دین کے نام پر اختلاف کیوں ہوا، تمام ایک کیوں نہیں ہوئے؟ یہ یہودیت، عیسائیت کیا ہے اور پھر اصلی دین اسلام ہی ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اسی کے داعی ہیں تو یہ انبیاء علیہم السلام کو ماننے والے آپ ﷺ کو کیوں نہیں مانتے؟

ان ہی سولات کا جواب قرآن نے پوری وضاحت اور صفائی سے دیا ہے اس کی توضیح یہ ہے کہ ادیان کا اختلاف دو طرح کا ہے:۔

ایک اختلاف تو وہ ہے جو فی الحقیقت شرائع کے احکام میں پایا جاتا ہے مثلاً ایک مذہب میں نماز کی کوئی خاص صورت ہے اور دوسرے میں کوئی اور جیسے اصل نماز سارے انبیاء کے یہاں ہے لیکن نماز کی شکل وصورت مختلف اُمتوں میں الگ الگ ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نماز حضرت داوٗد علیہ السلام کی نماز اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نماز وغیرہ وغیرہ۔

دوسرا اختلاف وہ ہے جو پیروانِ مذہب نے مذہب کی حقیقی تعلیم سے باغی ہو کر پیدا کر لیا ہے یہ اختلاف دین کا اختلاف نہیں پیروانِ دین کی گمراہی کا نتیجہ ہے۔قرآن سورۃ آل عمران کی آیت ۱۹ میں اسی بات کو پوری وضاحت سے بیان کرتا ہے، قرآن اس مقام پر بتانا یہ چاہتا ہے کہ ان میں اختلاف اس لئے نہیں ہوا کہ ان کے پاس العلم نہیں آیا تھا اور یہ اس اسلام سے اس لئے منحرف نہیں ہوئے تھے کہ وحی الٰہی نے ان کی رہنمائی نہیں کی تھی اور یہ بے راہ روی کے شکار اس لئے نہیں ہوئے کہ حق کو کھول کر بیان نہیں کیا گیا تھا پیروانِ مذاہب کا راہ حق سے انحراف کسی خطاء اجتہادی کی بنا پر نہیں تھا بلکہ ان کے اختلاف کی اصلی وجہ یہ اور صرف یہ تھی کہ ان میں انسانیت سے ہٹ کر نفسانیت اور ہوا پرستی آگئی تھی ان لوگوں نے اپنی جائز حد سے بڑھ کر حقوق، فوائد اور امتیازات حاصل کرنا چاہے اور حب الشہوات کے مطابق اصل دین کے عقائد، اصول اور احکام میں ردّ وبدل کر ڈالا قرآن نے اسی کو [بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ] سے تعبیر کیا ہے۔بغی کے معنے ضد اور عناد کے ہیں ضد وعناد ہی نے ان میں فرقہ وارانہ جراثیم پیدا کئے [ما تفرقوا الا من بعد ما جاء هم العلم بغيًا بينهم] اور یہی بغی ان میں فکری اور عملی اختلاف کا باعث بنا اور یہ بغی ہی نبوت محمدیہ کے انکار کا سبب بنا یقیناً [بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ] یعنی نبوت محمدیہ ﷺ کے انکار اور اس کی مخالفت کی یہ راہ انہوں نے دیدہ دانستہ اختیار کی اس کا سبب اس ضد اور عناد کے سوا کچھ نہ تھا کہ ان کو اللہ تعالیٰ پر غصہ تھا کہ اس نے آخری دین اور آخری رسول کی نعمت سے بنی اسماعیل کو کیوں نوازا بنی اسرائیل میں سے کسی کو رسول کیوں نہیں بنایا؟

﴿اُخروی نجات اب صرف اسلام میں منحصر ہے اور واجب الاتباع شخصیت صرف محمد ﷺ کی ہے﴾

اس بات کا ثبوت کہ اسلام ہی کی پیروی ضروری ہے خود رسول اللہ ﷺ کے عمل میں موجود ہے اور ایسا ثبوت موجود ہے جس کے آگے جھک پڑنے سے صرف ناانصافی اور خود پرستی ہی روک سکتی ہے اگر یہ بات بھی قرآن کے نزدیک صحیح ہوتی کہ سارے دین سچے ہیں اور ہر رسول کی پیروی یکساں طور پر حق ہے تو اس کا بالکل منطقی تقاضا یہ تھا کہ حضور انور ﷺ یہود و نصاریٰ کو اسلام لانے کی دعوت نہ دیتے کیونکہ وہ خود صاحب کتاب تھے۔ اگر دعوت دیتے بھی تو کم از کم اسلام لانے کے مطالبے پر اصرار تو کسی طرح نہ کرتے۔ اس کے برخلاف آپ ان سے صرف یہ کہتے کہ تورات و انجیل کی مخلصانہ پیروی کرو میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اپنی نبوت کے تسلیم کرنے اور قرآن کی پیروی کا تم سے کوئی مطالبہ نہیں رکھتا لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ ایسا نہیں ہوا آپ ﷺ نے انہیں بھی اسی طرح اسلام کی دعوت دی جس طرح عرب کے مشرکوں کو دی تھی اور ان کیلئے بھی اپنی پیروی کو ویسا ہی ضروری قرار دیا جیسا کہ ان کیلئے ضروری قرار دیا تھا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ.

''اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی تھی ایمان لاؤ اس کتاب پر جسے ہم نے اتارا ہے اور تصدیق کرتی ہے اس کی جو تمہارے پاس ہے۔'' [النسآء: ۴۷]

نہ صرف یہ کہ آپ نے انہیں اسلام لانے کی دعوت دی بلکہ ان میں سے جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں صاف لفظوں میں کفر کا مرتکب اور دوزخی فرمایا حتیٰ کے بعض

مقامات پر تو ان کے اس انکار اسلام کو صرف کفر ہی نہیں بلکہ بدترین کفر اور انہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ پکا کافر کہا ہے جیسا کہ چھٹے پارہ کے آغاز میں ہے کہ اہل کتاب کو الکافرون حقًّا کہا ہے ان کے جس طرز عمل کی بنا پر یہ کہا گیا ہے وہ صرف یہ تھا کہ وہ جہاں دوسرے انبیاء کو اللہ کے رسول مانتے تھے حضرت محمد ﷺ کو ماننے کیلئے کسی طرح تیار نہ ہوتے تھے حالانکہ جس طرح اللہ کے رسول وہ تھے اسی طرح آپ بھی تھے پھر یہی چیز ہے جسے ایمان و کفر کے درمیان راہ نکالنا کہا گیا ہے کیونکہ دوسرے انبیاء کو مان کر اگر وہ ایمان باللہ کے تقاضے پورے کر رہے تھے تو رسالت محمدی ﷺ کا انکار کر کے اللہ کی معبودیت اور حاکمیت کو وہ ٹھکرا بھی رہے تھے پھر یہی رویہ تھا جس کو اللہ کا اور اس کے رسولوں کا کفر کرنا کہا گیا تھا کیونکہ خدا کے کسی رسول کو ماننا اور کسی کو نہ ماننا دراصل نہ خدا کو ماننا ہے نہ کسی رسول کو ماننا ہے بلکہ محض اپنی خواہش نفس کو ماننا ہے۔

غرض قرآن حکیم نے اہل کتاب کے انکار اسلام کو بھی ٹھیک وہی حیثیت دی ہے جو مشرکوں کے انکار کو دی تھی اور نتائج بھی دونوں کے ایک ہی بتائے ہیں اس نے اہل کتاب کیلئے اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں رکھی تھی کہ وہ اسلام کے بجائے اپنے ہی دین پر قائم رہ سکتے ہیں خدا اسے بھی قبول نہ فرمائے گا۔

پھر یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَا یَسْمَعُ بِیْ اَحَدٌ مِنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ یَھُوْدِیٌّ وَلَا نَصْرَانِیٌّ ثُمَّ یَمُوْتُ وَلَمْ یُؤْمِنْ بِالَّذِیْ اُرْسِلْتُ بِہٖ اِلَّا کَانَ مِنْ اَصْحَابِ النَّارِ۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اس اُمت میں سے جس کسی شخص تک مثلاً یہودی ہو یا نصرانی میری نبوت کا پیغام پہنچا اور اس کے باوجود وہ مجھ

پر اور میرے لائے ہوئے دین پر ایمان لائے بغیر مر گیا وہ دوزخی ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتے ہیں:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

"پس مجھے تیرا رب ہونے کی قسم ہے یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کریں پھر آپ جو فیصلہ کریں اس کے متعلق اپنے دلوں میں گھٹن بھی محسوس نہ کریں اور اس فیصلہ پر پوری طرح سرِ تسلیم خم نہ کردیں۔" [النسآء:٦٥]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۔

"اور (اے نبی ﷺ) ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے "الکتاب" میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ ونگہبان ہے لہذا تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔" [المائدہ:٤٧]

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

"اور یہود ونصاریٰ تو آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہ کریں۔ آپ (ان سے) کہئے کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی ہے اور اگر آپ علم آنے کے بعد ان کی خواہشات کی اتباع کریں گے تو آپ کو اللہ سے بچانے والا کوئی حامی و ناصر نہ ہوگا۔" [البقرۃ:۱۲۰]

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ "اور وہ (رسول) کوئی بات خود گھڑ کر ہمارے ذمہ لگا دیتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی رگِ گردن کاٹ ڈالتے۔" [المعارج:۴۴،۴۵،۴۶]

نوٹ:۔ ان آیات کو پڑھیں اور بغور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر اپنے نبی جناب محمد ﷺ کو تاکید کی ہے کہ آپ ہماری وحی کا اتباع کریں کسی دوسرے کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور اُمت کو یہ حکم دیا کہ آپ ﷺ کی اتباع کریں اپنی خواہشات یا اپنے آباؤ اجداد کی تقلید نہ کریں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

"کہہ دیجئے (اے نبی ﷺ) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔" [آل عمران:۳۱]

اب قیامت تک آنے والے انسانوں کیلئے یہ ایک کسوٹی ہے اگر کسی کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کو چاہئے کہ اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر رکھ کر دیکھ لے سب کھرا کھوٹا واضح ہو جائے گا اور جو شخص جس قدر اتباع محمدی ﷺ میں زیادہ مضبوط ہوگا اسے اسی قدر سمجھا جائے گا کہ وہ اپنے مالک حقیقی کی محبت کے دعویٰ میں سچا ہے اتباع کا نتیجہ یہ بتایا

کہ اللہ اس سے محبت کرے گا اللہ کی محبت اور آپ ﷺ کی اتباع کی برکت سے اس شخص کے سابقہ تمام گناہوں کو بخش دیا جائے گا۔اب اسی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے ہم چند احادیث اور آیات قرآنی نقل کرتے ہیں تاکہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: كُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰی قَالُوْا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَنْ یَاْبٰی؟قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبٰی.

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے ان افراد کے جو انکار کردیں، پوچھا گیا، یارسول اللہ ﷺ (جنت میں جانے سے) کون انکار کرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں جانے سے) انکار کردیا۔" [بخاری، مشکوٰۃ ص:۲۷]

﴿رسول اللہ ﷺ کی دعوت کی مثال﴾

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "فرشتوں کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ ﷺ سو رہے تھے تو ان میں سے بعض نے کہا بیشک آنکھیں سو رہی ہیں مگر دل بیدار ہے پھر فرشتوں نے کہا: تمہارے اس ساتھی کی ایک مثال ہے وہ بیان کرو، کچھ فرشتوں نے کہا آپ ﷺ تو سو رہے ہیں (یعنی آپ کے سامنے مثال بیان کرنے کا کیا فائدہ؟) لیکن کچھ فرشتوں نے کہا کہ: آپ ﷺ کی آنکھ تو واقعی سو رہی ہے لیکن دل جاگتا ہے چنانچہ فرشتوں نے کہا: آپ ﷺ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے ایک گھر تعمیر کیا، کھانا پکایا اور پھر لوگوں کو بلانے کیلئے ایک آدمی بھیجا جس نے بلانے

والے کی بات مان لی وہ گھر میں داخل ہوا اور کھانا کھالیا اور جس نے بلانے والے کی بات نہ مانی وہ نہ تو گھر میں داخل ہوا اور نہ ہی اس نے کھانا کھایا، پھر فرشتوں نے کہا: اس مثال کی وضاحت کرو تاکہ آپ اچھی طرح سمجھ لیں، بعض فرشتوں نے پھر یہ بات دہرائی کہ آپ ﷺ تو سو رہے ہیں، لیکن دوسروں نے جواب دیا کہ: آپ ﷺ کی آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگ رہا ہے، چنانچہ فرشتوں نے مثال کی وضاحت یوں کی کہ: گھر سے مراد جنت ہے (جسے اللہ نے تعمیر کیا) اور لوگوں کو بلانے والے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں پس جس نے محمد ﷺ کی بات مان لی تو اس (مومن) نے گویا اللہ کی بات مان لی اور جس نے محمد ﷺ کی بات ماننے سے انکار کیا اس (کافر) نے گویا اللہ کی بات ماننے سے انکار کیا اور محمد ﷺ لوگوں کے درمیان فرق کرنے والے ہیں یعنی کون فرمانبردار (مومن) اور کون نافرمان (کافر) ہے۔" [بخاری، مشکوٰۃ: ص ۲۷]

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُ بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ کَمَثَلِ رَجُلٍ اَتٰی قَوْمًا فَقَالَ یَا قَوْمِ اِنِّیْ رَأَیْتُ الْجَیْشَ بِعَیْنَیَّ وَاِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانُ فَالنَّجَاءَ النَّجَاءَ فَاَطَاعَهٗ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ فَاَدْلَجُوْا فَانْطَلَقُوْا عَلٰی مَهَلِهِمْ فَنَجَوْا وَکَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَاَصْبَحُوْا مَکَانَهُمْ فَصَبَّحَهُمُ الْجَیْشُ فَاَهْلَکَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ فَذٰلِکَ مَثَلُ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهٖ وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِیْ وَکَذَّبَ مَاجِئْتُ بِهٖ مِنَ الْحَقِّ ۔

"حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور اس چیز کی مثال جسے مجھے دے کر بھیجا گیا ہے ایسی ہے جیسے کوئی آدمی کسی قوم کے پاس آیا اور کہا اے قوم میں نے ایک لشکر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں کھلا نذیر ہوں اس لئے تم بچ جاؤ ایک گروہ

نے قوم میں سے اس کی بات قبول کر لی اور منہ اندھیرے آرام سے چلے گئے انہوں نے نجات پائی۔ایک گروہ نے اسے جھٹلایا وہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہے صبح ہوئی لشکر نے حملہ کر دیا ان کو ہلاک اور برباد کر دیا، یہ اس کی مثال ہے جس نے میری بات مان لی اور جو کچھ میں لایا ہوں اس کی پیروی کی اور اس کی مثال جس نے میری نافرمانی کی اور جو کچھ میں لایا ہوں اس کو جھٹلایا۔" [بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۲۸]

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ كَمَثَلِ رَجُلٍ اِسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهَا جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَآبُّ الَّتِیْ تَقَعُ فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیْهَا وَجَعَلَ یُحْجِزُ هُنَّ وَیَغْلِبْنَهٗ فَیَتَقَحَّمْنَ فِیْهَا فَاَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَاَنْتُمْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا هٰذِهٖ ۔رِوَایَةُ الْبُخَارِیُّ وَ لِمُسْلِمٍ نَحْوَهَا وَقَالَ فِیْ اٰخِرِهَا قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلِیْ وَمَثَلُكُمْ اَنَا اٰخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ هَلُمَّ عَنِ النَّارِ فَتَغْلِبُوْنِیْ تَقَحَّمُوْنَ فِیْهَا۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب اس کا گردو پیش روشن ہو گیا تو پروانے اس میں گرنے شروع ہوئے اور وہ آدمی انہیں روکنے لگا اور وہ اس پر غالب ہونے لگے اور بزور گرنے لگے، میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ میں گرنے سے بچاتا ہوں اور تم بزور اس میں گر رہے ہو [بخاری] مسلم میں بھی ہے اس کے آخر میں فرمایا: میری اور تمہاری مثال یہ ہے کہ میں تمہیں کمر سے پکڑتا ہوں کہ آگ سے ہٹ جاؤ مگر تم بزور اس میں داخل ہوتے ہو۔" [بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ: ص ۲۸]

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلُ مَا بَعَثَنِیَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدٰی وَالْعِلْمِ كَمَثَلِ الْغَیْثِ الْكَثِیْرِ اَصَابَ اَرْضًا فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَیِّبَةٌ قَبِلَتِ الْمَآءَ فَاَنْبَتَتِ الْكَلَاَ وَالْعُشْبَ الْكَثِیْرَ وَكَانَتْ مِنْهَا اَجَادِبُ اَمْسَكَتِ

الْمَآءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسِ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا وَاَصَابَ مِنْهَا طَائِفَةً اُخْرٰى اِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلَاءً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ بِمَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِيْ اُرْسِلْتُ بِهٖ.

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مبعوث فرمایا اس کی مثال ایسی ہے جیسے بہت بڑی بارش زمین پر برسی زمین کے بعض ٹکڑے بہت عمدہ تھے اس نے پانی کو قبول کیا اس سے بہت سی گھاس اور سبزیاں پیدا ہوئی اور بعض ٹکڑے سخت تھے جن میں پانی جمع ہو گیا اس سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا لوگوں نے پیا، کھیتی باری کی، ایک دوسرے ٹکڑے کو بھی بارش پہنچی یہ چٹیل میدان تھا نہ اس نے پانی روکا نہ گھاس پیدا ہوئی۔ یہ اس کی مثال ہے جس نے اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کی اور اسے میری بعثت سے فائدہ پہنچا، اس نے سیکھا اور سکھایا اور اس کی مثال جس نے اس کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا اور اس نے اللہ کی ہدایت کو قبول نہ کیا جو مجھے دے کر بھیجا گیا۔'' [بخاری، مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۸]

فقہ الحدیث:۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے اس حدیث سے علماء کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی، عالم کی مثال ہے اچھی زمین کی جس نے بے شمار طرح کے پھل، درخت، میوے، ترکاریاں، سبزیاں اگا رکھی ہیں کہ لوگ اس سے ہر طرح کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اور وہ خود بھی فوائد حاصل کر رہے ہیں، عالم بے عمل کی مثال نشیبی زمین کی ہے جس نے پانی روک لیا لوگ آ کر اس سے پانی پیتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں یہ مثال ہے بے عمل عالم کی کہ وہ خود تو کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا لیکن دنیا اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے لوگ مسائل دریافت کرتے ہیں۔ اور چٹیل میدان میں نہ کچھ اُگتا ہے نہ اس میں پانی ٹھہرتا ہے یہ مثال ہے جاہل بے عمل کی۔

﴿اتباع کیلئے پہلی شرط محبت رسول ﷺ ہے﴾

قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر آپ یہ دیکھیں گے کہ حکم دیا گیا ہے میرے رسول کی اتباع اور اطاعت کرو کیونکہ کامیابی کا اصل راستہ ہی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث ہی اس لئے کیا ہے کہ آپ کی اتباع واطاعت میں زندگی گزاری جائے اور یہی اصل صراط مستقیم ہے کہ آپ ﷺ ہی کا اتباع کیا جائے اور اتباع کی پہلی شرط محبت رسول ہے اور یہ ایمان کا جز بھی ہے:۔

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہوسکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں ہو جاتا۔[صحیح بخاری کتاب الایمان باب حب الرسول ﷺ من الایمان حدیث:۱۵]

بخاری کی ایک دوسری حدیث میں ہے:۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ هَشَّامٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ :يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ لَاَ نْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا نَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ رضی اللہ عنہ فَاِنَّهُ الْاٰنَ وَاللّٰهِ لَاَ نْتَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ نَّفْسِيْ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ اَلْاٰنَ يَا عُمَرُ ۔

''حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں اس پر نبی ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا

نہیں جب تک میں تیری جان سے بھی زیادہ تجھے پیارا نہ ہو جاؤ تو حضرت عمر ﷺ نے کہا خدا کی قسم اب تو آپ ﷺ مجھے جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، تو فرمایا (رسول اللہ ﷺ) نے اب تو ایماندار ہے۔" [صحیح بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی ﷺ حدیث ۶۶۳۲]

آج کچھ لوگ محبت رسول ﷺ کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر آپ کی سنت اور حدیث سے محبت کرنے کی بجائے بدعت سے بڑی محبت رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام حسن بصریؒ نے بڑی عمدہ بات کی ہے:۔

مِنِ ادَّعٰی مُحَبَّتَهٗ وَخَالَفَ سُنَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ كَذَّابٌ وَكِتَابُ اللّٰهِ يُكَذِّبُهٗ.

"جو شخص اللہ کے رسول ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرے اور سنت رسول ﷺ کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے اللہ کی کتاب اس کو جھوٹا کہتی ہے۔" [لغات الحدیث ص:۷]

اور فتح المجید میں ہے:۔ فَمَنِ ادَّعٰی مُحَبَّةَ النَّبِيِّ ﷺ بِدُوْنِ مُتَابِعَتِهٖ وَتَقْدِيْمِ قَوْلِهٖ عَلٰى قَوْلِ غَيْرِهٖ فَقَدْ كَذَبَ۔ "جس نے دعویٰ نبی ﷺ کی محبت کا کیا اور آپ ﷺ کی پیروی نہ کی اور دوسروں کی باتوں کو آپ ﷺ کی باتوں پر مقدم کرتا رہا تو وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔" [فتح المجید ص:۳۲۷]

﴿ رسول اللہ ﷺ کی آخری وصیت ﴾

حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

تَرَكْتُ فِيكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ۔ (نوٹ:۔ اس حدیث کی موطا والی سند ٹھیک نہیں لیکن یہی حدیث المستدرک للحاکم اور کتاب السنۃ میں عمدہ سند کے ساتھ مرفوع مروی ہے)

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔''

[موطا امام مالک کتاب الجامع باب النھی عن القول فی القدر]

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَ وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَّا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَاَنَّ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَاِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَاِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک دن نماز پڑھائی اور ہماری طرف توجہ فرما کر عجیب وعظ فرمایا جس سے آنکھیں اشک بار ہو گئیں، دل ڈر گئے۔ ایک آدمی نے کہا آج کا وعظ تو الوداعی واعظ معلوم ہوتا ہے آپ ہمیں اور وصیت فرما دیں۔ فرمایا (رسول اللہ ﷺ نے) میں تمہیں اللہ کے ڈر کی وصیت کرتا ہوں اور

تمہارا امیر حبشی غلام بھی ہو تو اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔ جو تم سے زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تم میرے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کے پابند رہو جو ہدایت پر ہیں اسے مضبوط پکڑو اور دانتوں سے اسے تھامے رکھو اور نئے کاموں سے بچو دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔'' [مسند احمد بحوالہ مشکوٰۃ ص:۲۹]

فقہ الحدیث:۔ کیا خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا واجب ہے؟

اس حدیث پاک کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں حاکم نے بھی روایت کیا ہے، خلفائے راشدین کی سنت اگر قرآن مجید کی کسی آیت یا حدیث صحیح کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہے اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس کو ترک کر دیا جائے گا مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حج تمتع سے انکار کیا گو وہ کسی مصلحت کے تحت تھا اور وہ فرمانِ رسول ﷺ سے ثابت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو ترک کر دیا جائے گا بلکہ آپ کے اس قول کی مخالفت سب سے پہلے آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور فرمایا تھا کہ میں نے کلمہ رسول اللہ ﷺ کا پڑھا ہے اپنے باپ کا نہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کی اتباع واطاعت مجھ پر فرض ہے اپنے باپ کی نہیں، فرمان رسول ﷺ کے مقابلہ میں اپنے باپ امیر المومنین کے قول کو ترجیح نہیں دی۔

بدعت کے لغوی معنی ہیں ''نئی چیز'' لیکن اصطلاح شریعت میں بدعت وہ کام ہے جس کا اصل جلی یا خفی قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم میں نہ ہو اور ایسی ہر بدعت گمراہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کی نماز کو بدعت حسنہ کہنا یہ شرعی بدعت نہیں ہے کیونکہ اس کا اصل حدیث شریف میں موجود ہے آپ نے یہاں بدعت کا لفظ لغوی طور پر استعمال فرمایا یعنی اچھی جدّت ہے۔

﴿نیکی پھیلانے کا ثواب﴾

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَیْئًا.

''حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص ہدایت دے اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جس قدر اجر اس کی پیروی کرنے والے کو ملے گا ان کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی، جو شخص گمراہی کی دعوت دے اس کو اسی قدر گناہ ہوگا جس قدر گناہ اس کی پیروی کرنے والے کو ملے گا، اس سے ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

[صحیح مسلم، مشکوٰۃ ص:۲۹]

فقہ الحدیث: اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نیکی کی ترغیب دینے والے کو بھی نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملے گا، نیکی کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اس کو عمل کرنے کا ثواب ملے اور ترغیب دینے والے کو ترغیب دینے کا۔ بہرحال حدیث میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی گئی ہے۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ اَحْیٰ سُنَّةً مِنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ لَا یَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلَ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یَنْقُصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْئًا.

''حضرت بلال بن حارث مزنی ﷛ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص میری کسی سنت کو زندہ کرے جسے میرے بعد مٹا دیا گیا اسے اتنا اجر ملے جس قدر اس پر تمام عمل کرنے والوں کو ملے گا اور ان کے اجروں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص دین میں کوئی نئی بدعت و گمراہی ایجاد کرے جسے اللہ اور رسول پسند نہیں فرماتے اسے اتنا گناہ ہوگا جس قدر اس پر تمام عمل کرنے والوں کو ہوگا اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔''

[رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن کثیر ابن عبداللہ بن عمرو عن ابیہ عن جدہٖ]

نوٹ:۔ اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ ضعیف ہے لیکن اس کی تائید ابو ہریرہ ﷛ کی حدیث سے ہو جاتی ہے جو اس سے پہلے نقل کی گئی ہے۔

﴿اعلیٰ ایمان کی علامت﴾

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَّا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُلْقٰى فِي النَّارِ ۔

''حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص میں تین خوبیاں ہوں گی وہ ایمان کی مٹھاس کو پائے گا (۱) جسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دوسری تمام چیزوں سے زیادہ ہو (۲) کسی آدمی سے صرف اللہ کیلئے محبت کرے (۳) ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر کی طرف لوٹنا اسے ایسے ہی ناپسند ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کیا جاتا ہے۔'' [متفق علیہ بحوالہ مشکوٰۃ ص:۱۲]

وَعَنِ الْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ذَاقَ طَعْمَ

اَلْاِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا. [رواہ مسلم]

''حضرت عباس ؓ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اسلام کو دین اور آنحضرت ﷺ کو اپنا رسول مان لیا اس نے ایمان کا پورا مزہ پالیا۔'' [صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۲]

''حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کی اُمت میں حواری ہوتے ہیں اور اس کے ساتھی جو اس کی سنت کو لیتے ہیں اور اس کے حکموں کی اقتداء کرتے ہیں ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو کہتے ہیں کرتے نہیں اور جو کرتے ہیں اس کا حکم ان کو نہیں کیا گیا، جو ان کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے، جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اور جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مومن ہے اس کے سوا ذرہ برابر کسی کا ایمان نہیں۔'' [صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۹]

فقہ الحدیث:۔ ایمان کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ برائی کو اپنے زور اور طاقت سے ختم کردے اور مصلحت اندیشی کا بالکل خیال نہ کرے حقیقت میں اسلام انہی لوگوں کی مساعی جمیلہ سے پھیلا ہے اور عام درجہ یہ ہے کہ نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کرے اور سب سے کمزور ایمان یہ ہے کہ ہاتھ اور زبان سے کچھ بھی نہ کرے لیکن دل میں نیکی کی محبت اور برائی کی نفرت موجود ہو اور یہ سب سے کمزور ایمان ہے اور اگر یہ احساس بھی نہ ہو تو سمجھو کہ دل مر چکا ہے، ایمان بالکل ختم ہو چکا ہے۔

﴿صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محبت رسول ﷺ میں ایک نمونہ ہیں﴾

صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود ثقفی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی ﷺ سے جو محبت دیکھی اسے دیکھ کر وہ حیران وششدر رہ گیا اور واپسی پر قریش کو جا کر اس نے جو تاثرات دیئے وہ درج ذیل ہیں:۔

ثُمَّ اِنَّ عُرْوَةَ جَعَلَ یَرْ مُقُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ ﷺ بِعَیْنَیْهِ قَالَ فَوَاللّٰهِ مَا تَنَخَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَاِذَا اَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَهُ وَاِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْ یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْهِ النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَهُ فَرَجَعَ عُرْوَةُ اِلٰی اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَیْ قَوْمِ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلٰی قَیْصَرَ وَكِسْرٰی وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰهِ اِنْ رَاَیْتُ مَلِكًا قَطُّ یُعَظِّمُهُ اَصْحَابُهُ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدًا وَاللّٰهِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِیْ كَفِّ رَجُلٍ مِّنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ وَاِذَااَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَهُ وَاِذَا تَوَضَّأَ كَا دُوْیَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا یُحِدُّوْنَ اِلَیْهِ النَّظَرَ تَعْظِیْمًا لَّهُ وَاِنَّهُ قَدْ عَرَضَ عَلَیْكُمْ خُطَّةَ رُشْدٍ فَاقْبَلُوْهَا۔

پھر جب عروۃ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا تو اس نے ۲ کہا کہ محمد ﷺ اگر تھوکے تو ان کے ہاتھوں میں گرتا ہے، وہ اپنے چہروں اور جسموں پر مل لیتے ہیں جب وہ حکم کرے تو جلدی تسلیم کرتے ہیں، جب وہ وضو کرے تو وہ وضو کا پانی حاصل کرنے کیلئے آپس میں لڑ پڑتے ہیں، جب وہ کلام کرے تو وہ لوگ اپنی آوازوں کو پست کر لیتے ہیں، آپ کی اتنی تعظیم کرتے ہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھتے نہیں وہ پھر واپس قریش کے پاس گیا اور جا کر سارا قصہ بیان

کیا اور کہا کہ اے لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ اور نجاشی کو بھی دیکھا پر خدا کی قسم جتنی تعظیم محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں کسی کے ساتھی نہیں کرتے۔" [بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط حدیث:۲۷۳۱]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور محبت رسول ﷺ

عَنْ ابْنِ سِيْرِيْنَ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ اَبِیْ بَكْرٍ كَا نَ يَوْمَ بَدْرٍ مَعَ الْمُشْرِكِيْنَ فَلَمَّا اَسْلَمَ قَالَ لِاَبِيْهِ لَقَدْ اُهْدِفْتَ لِیْ يَوْمَ بَدْرٍ فَانْصَرَفْتُ عَنْكَ وَلَمْ اَقْتُلْكَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لٰكِنَّكَ لَوْ اُهْدِفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْكَ۔

"امام ابن سیرینؒ بیان کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر جنگ بدر کے دن مشرکوں کے ساتھ تھے جب مسلمان ہوئے تو اپنے باپ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) سے کہنے لگے کہ ابا جان بدر کے دن آپ میری تلوار کے نشانہ میں آگئے تھے تو میں نے تلوار کو آپ سے پھیر لیا، اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ میری تلوار کے نشانہ میں آجاتے تو میں کبھی بھی آپ سے تلوار نہ پھیرتا۔" [تاریخ الخلفاء ص:۳۶]

نوٹ:۔ اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے کتنی محبت کرتے تھے وہ اپنے حقیقی بیٹے کو کہہ رہے ہیں کہ اگر میں تجھے بدر کے دن دیکھ لیتا تو کبھی زندہ نہ چھوڑتا اپنے پیغمبر کا دشمن سمجھ کر قتل کر دیتا۔

دوسرا واقعہ

اَنَّ اَبَا بَكْرٍ رضی اللہ عنہ لَمَّا مَاتَ النَّبِیُّ ﷺ اَصَابَهٗ حُزْنٌ شَدِيْدٌ فَمَا زَالَ يُحْرِیْ بَدَنَهٗ حَتّٰى لَحِقَ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔ "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کا سبب آنحضرت ﷺ کے

انتقال کا غم تھا جو آپ کو اندر ہی اندر کمزور کرتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ خالق حقیقی سے جا ملے۔'' [حیوۃ الحیوان الکبریٰ ص:۱۷ ج:۱]

نوٹ:۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابوبکر ﷺ کو نبی ﷺ سے کس قدر محبت تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور محبت رسول ﷺ

حضرت عمر ﷺ نے جب نبی ﷺ کی وفات کی خبر سنی تو اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے اور فرمانے لگے جس نے کہا کہ محمد ﷺ وفات پا چکے ہیں میں اس کا سر قلم کردوں گا پھر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے جو خطبہ دیا وہ قابل ذکر ہے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے فرمایا:۔

اَلا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ وَقَالَ [اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّھُمْ مَیِّتُوْنَ] وَقَالَ [وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِکُمْ وَمَنْ یَّنْقَلِبْ عَلٰی عَقِبَیْهِ فَلَنْ یَّضُرَّ اللّٰہَ شَیْئًا وَسَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ○

''خبردار ہو جاؤ! جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا پھر حضرت ابوبکر ﷺ نے سورہ زمر کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ: اے نبی ﷺ آپ بھی مرنے والے ہیں اور دوسرے لوگ بھی مرنے والے ہیں'' اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ ''نہیں ہیں محمد ﷺ مگر اللہ کے رسول ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کردیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دیگا۔''

نوٹ:۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نبی ﷺ سے محبت تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کی خبر سن کر اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھے، ظاہر بات ہے کہ کسی محبوب چیز کے چلے جانے سے غم تو ہوتا ہے اسی غم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہوئی تھی۔

﴾یہ بھی محبت کا ایک انداز ہے﴿

وَكَانَ عُمَرُ رضی اللہ عنہ يُفَضِّلُ بِالسَّابِقَةِ وَالنَّسَبِ فَكَانَ يُفَضِّلُ عَائِشَةَ عَلٰى حَفْصَةَ وَيَقُوْلُ اِنَّهَا كَانَتْ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْكِ وَاَبُوْهَا اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَبِيْكِ .

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سبقت اسلام اور نسبت کو ترجیح دیتے تھے آپ نے جب مسلمانوں کے وظائف مقرر کیے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی بیٹی حفصہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دی اور کہا کہ وہ اور اس کا باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے زیادہ نبی ﷺ کو محبوب تھے۔"

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ قَالَ فَرَضَ عُمَرُ لِاُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ اَكْثَرَ مِمَّا فَرَضَ لِيْ فَقُلْتُ اِنَّمَا هِجْرَتِيْ وَهِجْرَتُهٗ وَاحِدَةٌ قَالَ اِنَّ اَبَاهُ اَحَبُّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ اَبِيْكَ وَاِنَّهٗ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنْكَ .

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مجھ سے زیادہ مقرر کیا تو میں نے عرض کی کہ میری اور اسامہ کی ہجرت تو ایک ہی جیسی تھی، جواب میں عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اور اس کا باپ تجھ سے اور تیرے باپ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کو پیارے تھے۔" [مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص:۱۰۴ ج:۸]

نوٹ:۔ محبت رسول ﷺ کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ نبی ﷺ کی پسندیدہ اور محبوب شخصیات کو ہر معاملہ میں قابل ترجیح سمجھا گیا ہے۔

﴿حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول ﷺ﴾

فَلَمَّا مَاتَ النَّبِیُّ ﷺ اَرَادَ اَنْ یَّخْرُجَ اِلَی الشَّامِ فَقَالَ لَہٗ اَبُوْ بَکْرٍ رضی اللہ عنہ بَلْ تَکُوْنُ عِنْدِیْ فَقَالَ اِنْ کُنْتَ اَعْتَقْتَنِیْ لِنَفْسِکَ فَاحْبِسْنِیْ وَاِنْ کُنْتَ اَعْتَقْتَنِیْ لِلّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَذَرْنِیْ اَذْھَبُ اِلَی الشَّامِ فَکَانَ بِھَا حَتّٰی مَاتَ .

''جب نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ملک شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا کہ میرے پاس رہو تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا اگر آپ نے اپنے لئے آزاد کیا تھا تو مجھے روک لو اگر اللہ کیلئے آزاد کیا تھا تو مجھے چھوڑ دو، پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ ملک شام کی طرف چلے گئے اور اپنی وفات تک وہیں رہے۔'' [الاستیاب ص:۱۸۱ ج:۱]

﴿حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول ﷺ﴾

جب نبی کریم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ صاحبہ اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائیں اور آپ کا خادم بنا دیا پھر دس سال تک حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت کی اس خادمِ رسول ﷺ کی محبت کا انداز بھی سماعت فرمائیں:۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ لَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ دَخَلَ فِیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ الْمَدِیْنَۃَ اِضَاءَ مِنْھَا کُلُّ شَیْءٍ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ مَاتَ فِیْہِ اَظْلَمَ مِنْھَا کُلُّ شَیْءٍ وَمَا نَفَضْنَا اَیْدِیَنَا عَنِ التُّرَابِ وَاِنَّا لَفِیْ دَفْنِہٖ حَتّٰی اَنْکَرْنَا قُلُوْبَنَا.

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے

تو مدینے کی ہر چیز روشن ہو گئی اور جس دن آپ ﷺ کا انتقال ہوا مدینہ میں ہر چیز پر اندھیرا چھا گیا تھا ابھی ہم آپ ﷺ کو دفن کر رہے تھے کہ ہمارے دل پریشان ہو گئے۔"

[مشکوۃ ص: ۵۴۷ ج ۲]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول ﷺ

"وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ"

نَزَلَتْ فِيْ ثَوْبَانَ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ كَانَ شَدِيْدُ الْحُبِّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَلِيْلُ الصَّبْرِ مِنْهُ فَاَتَاهُ ذَاتَ يَوْمٍ وَقَدْ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ يُعْرَفُ الْحُزْنُ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا غَيَّرَ لَوْنَكَ؟ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَالِيْ مَرَضٌ وَلَا وَجْعٌ غَيْرَ اِنِّيْ اِذَا لَمْ اَرَكَ اِسْتَوْحَشْتُ وَحْشَةً شَدِيْدَةً حَتّٰى اَلْقَاكَ ثُمَّ اِنِّيْ اِذَا ذَكَرْتُ الْاٰخِرَةَ اَخَافُ لَا اَرَاكَ لِاَ نَّكَ تَرْفَعُ اِلٰى عِلِّيِّيْنَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنِّيْ اَخَافُ اِنْ دَخَلْتُ الْجَنَّةَ كُنْتُ فِيْ مَنْزِلَتِهٖ هِيَ اَدْنٰى مِنْ مَنْزِلَتِكَ وَاِنْ لَمْ اَدْخُلِ الْجَنَّةَ لَا اَرٰكَ اَبَدًا۔ فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ۔

"یہ آیت کریمہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو رنگ تبدیل تھا چہرہ پر غم کے آثار تھے، نبی کریم ﷺ نے پوچھا تیرے رنگ میں تبدیلی کیوں ہوئی؟ اس نے عرض کیا کہ "مجھے نہ کوئی مرض ہے اور نہ ہی جسمانی تکلیف، بات یہ ہے جب آپ ﷺ کو نہ دیکھوں تو سخت اداس ہو جاتا ہوں آج مجھے قیامت یاد آئی ہے کہ آپ تو نبیوں کے ساتھ بلند مقامات پر رہوں گے میں اگر جنت میں داخل ہو بھی گیا تو کم درجہ میں رہوں گا تو آپ ﷺ کا دیدار کیسے ہوگا اگر میں جنت میں داخل نہ ہوا تو ہمیشہ کیلئے دیدار سے محروم؛

جاؤں گا اسی سوچ نے میرا رنگ تبدیل کر دیا ہے۔" اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

[تفسیر خازن ص:۴۶۴ ج:۱]

نوٹ:۔ اندازہ کریں آپ کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی محبت کا صرف اس خیال سے ہی بیمار پڑ گئے کہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک نظر نہیں آئے گا تو ہمارا کیا بنے گا۔

﴿زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول ﷺ﴾

عَنْ عَاصِمِ بْنِ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ اَنَّ نَفَرًا مِّنْ قُرَيْشٍ فِيْهِمْ اَبُوْ سُفْيَانَ حَضَرُوْا قَتْلَ زَيْدٍ فَقَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ يَا زَيْدُ اُنْشِدُكَ اللّٰهَ اَتُحِبُّ اَنَّكَ الْآنَ فِيْ اَهْلِكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ عِنْدَنَا مَكَانَكَ نَضْرِبُ عُنُقَهٗ قَالَ لَا وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا ﷺ يُشَاكُ فِيْ مَكَانِهٖ بِشَوْكَةٍ تُؤْذِيْهِ وَاَنِّيْ جَالِسٌ فِيْ اَهْلِيْ قَالَ يَقُوْلُ اَبُوْ سُفْيَانَ وَاللّٰهِ مَا رَاَيْتُ مِنْ قَوْمٍ قَطُّ اَشَدَّ حُبًّا لِصَاحِبِهِمْ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ لَهٗ .

"حضرت عاصم رضی اللہ عنہ بن عمر بن قتادہ بیان کرتے ہیں کہ قریش کی ایک جماعت جن میں ابوسفیان بھی موجود تھا حضرت زید رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک ہوئے ایک شخص نے کہا کہ اے زید کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تیری جگہ ہم محمد ﷺ کو قتل کر دیں اور تو اپنے گھر میں رہے اس (زید رضی اللہ عنہ) نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ محمد ﷺ کو کانٹا تکلیف دے اور میں اپنے گھر میں رہوں۔ اس پر ابوسفیان نے کہا کہ خدا کی قسم میں نے کوئی قوم محبت میں اتنی سخت نہیں دیکھی جتنے محمد ﷺ کے ساتھی اس کی محبت میں سخت ہیں۔"

[طبقات الکبریٰ ص:۵۶ ج:۲]

حبیب بن زید رضی اللہ عنہ اور محبتِ رسول ﷺ

"حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب نے گرفتار کرلیا تو کہنے لگا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں؟ حضرت حبیب بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں۔ پھر اس نے کہا کہ میرے متعلق بھی تو گواہی دیتا ہے کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں؟ حبیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نہیں سنتا۔ مسیلمہ نے حضرت حبیب رضی اللہ عنہ کے ایک ایک کر کے سارے جوڑ کاٹ ڈالے اور وہ اس کے ہاتھوں شہید ہو گئے، جب وہ نبی ﷺ کا نام سنتے تو ایمان لاتے اور درود و سلام بھی آپ ﷺ پر پڑھتے اور جب مسیلمہ کذاب کا نام سنتے تو کہتے میں نہیں سنتا۔" [سیرت ابن ہشام ص:۱۰۰ ج:۲]

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے لیکن غیر کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور محبتِ رسول ﷺ

ایک دفعہ آپ کی والدہ نے کہا کہ اے سعد میں اس وقت تک کچھ نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک تم محمد (ﷺ) کا ساتھ نہیں چھوڑ دو گے، آپ اپنی والدہ کے تابع فرمان اور خدمت گزار فرزند تھے [وَاللّٰهِ لَا أَكَلْتُ طَعَامًا وَلَا شَرِبْتُ شَرَابًا حَتّٰى تَكْفُرَ بِمَا جَاءَ بِهِ مُحَمَّدٌ] "خدا کی قسم جب تک تو محمد (ﷺ) کے دین کا انکار نہ کرے گا میں نہ کھاؤں گی اور نہ پیوں گی۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب میں نے یہ دیکھا تو کہا میری ماں! خدا کی قسم تیری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں: [مَا تَرَكْتُ دِيْنَ هٰذَا النَّبِيِّ ﷺ فَكُلِيْ اِنْ شِئْتِ اَوْلَا تَاكُلِيْ] "میں پھر

بھی محمد ﷺ کا دین نہیں چھوڑوں گا تیرا جی چاہے کھا یا نہ کھا۔" جب اس نے یہ عزم دیکھا تو کھانا شروع کر دیا۔ [مصائب صحابہ ؓ ص: ۹۰، از سید نور الحسن مرحوم]

حضرت سعد ؓ نبی ﷺ کی محبت پہ والدہ کو قربان کر رہے ہیں، محبت کا اس سے بڑھ کر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ اور محبتِ رسول ﷺ

"حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا تھا کیونکہ وہ مشرکہ تھی ایک دن میں نے اسے دعوت دی تو اس نے مجھے نبی ﷺ کے متعلق بہت سی خراب باتیں سنائیں، میں خدمت نبوی میں روتا ہوا حاضر ہوا اور کہا کہ والدہ کو دعوت اسلام دیتا ہوں تو وہ ہمیشہ انکار کرتی ہے آج اس نے مجھے آپ کے خلاف بہت باتیں سنائی ہیں آپ اللہ سے دعا کریں کہ والدہ کو ہدایت نصیب کرے۔ نبی ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ابو ہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما۔ میں آپ ﷺ کی دعا سے خوش ہوتا ہوا گھر آیا جب دروازہ پر پہنچا تو وہ بند تھا والدہ نے میرے پاؤں کی آہٹ سن کر کہا کہ باہر کھڑے رہو، میں نے پانی کی آواز سنی والدہ نے غسل کیا اور جلدی سے لباس پہن کر دروازہ کھولا پھر کہا: میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں خوشی سے روتا ہوا خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمالی ہے آپ نے اللہ سے دعائے خیر کی اور اس کی بزرگی اور تعریف بیان کی۔ میں نے پھر عرض کیا کہ اللہ سے دعا کریں وہ مجھے اور میری ماں کو ایمان والوں کی طرف محبوب کر دے اور ان کی محبت ہم میں ڈال دے تو رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی۔ اب جو ایماندار پیدا ہو یا میرے متعلق سن لے تو وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

[صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ باب من فضائل ابی ھریرۃ ؓ حدیث: ۲۴۹۱]

نوٹ:۔حضرت ابوہریرہ کے دل میں محبت رسول ﷺ اس طرح موجزن ہے کہ وہ اپنی والدہ سے بھی نبی ﷺ کے خلاف کوئی کلمہ نہیں سن سکتے۔ بالآخر اللہ نے ان کی یہ نیک آرزو بھی پوری کردی ان کی والدہ نے بھی اسلام قبول کرلیا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے گھر کشیدگی ختم ہوگئی۔

﴿صحابیات رضی اللہ عنہن اور محبتِ رسول ﷺ﴾

صحابہ تو صحابہ صحابیات بھی مردوں سے کم نہ تھیں بلکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی محبت کو ہر رشتہ پر مقدم رکھتیں تھیں ذیل میں ان واقعات سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں:۔

﴿ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور محبتِ رسول ﷺ﴾

ثُمَّ خَرَجَ اَبُوْ سُفْيَانَ حَتّٰى قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلَ عَلٰى اِبْنَتِهٖ اُمِّ حَبِيْبَةَ فَلَمَّا ذَهَبَ لِيَجْلِسَ عَلٰى فِرَاشِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ طَوَّتْهُ عَنْهُ فَقَالَ يَا بُنَيَّةُ مَا اَدْرِيْ اَرَغِبْتِ بِيْ عَنْ هٰذَا الْفِرَاشِ اَمْ رَغِبْتِ بِهٖ عَنِّيْ قَالَتْ بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَاَنْتَ مُشْرِكٌ نَجِسٌ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَصَابَكِ بَعْدِيْ شَرٌّ .

"پھر ابوسفیان مدینہ آئے اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے جب بستر پر بیٹھنے لگے تو اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بستر لپیٹ دیا، اس نے کہا کہ اے بیٹی یہ بستر مجھ سے زیادہ تجھے عزیز ہے، اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نہیں بلکہ یہ بستر نبی ﷺ کا ہے اور تم مشرک پلید ہو ابوسفیان نے کہا کہ تجھے تو میرے بعد شر پہنچ چکا ہے۔" [زاد المعاد ص:۱۶۱ ج:۲]

نوٹ:۔یہ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے حقیقی باپ کو آپ ﷺ کے بستر پر نہیں بیٹھنے دیا کیونکہ وہ حالت شرک میں تھا اور ایمان کا تقاضا بھی یہی

تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب مقدس میں فرماتے ہیں:۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ٥[التوبة ٢٣]

''اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو پسند کریں تو انہیں بھی اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو شخص انہیں دوست بنائے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔'' [التوبۃ:٢٣]

حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہو گئے تو فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہائے ابا جان کی تکلیف، اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ آج کے بعد تیرے ابا جان پر تکلیف نہ ہو گی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:۔ يَا اَبَتَاهُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا اَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَاوَاهُ يَااَبَتَاهُ اِلٰى جِبْرِيْلَ نَنْعَاهُ۔

''اے ابا جان آپ نے رب کی دعوت کو قبول کر لیا، اے ابا جان جنت الفردوس جس کی جگہ ہے، اے ابا جان آپ کی وفات کی خبر ہم جبریل کو دیں گے۔''

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا تو سیدہ فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا:۔ قَالَتْ يَااَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُكُمْ اَنْ تَحْثُوا عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم التُّرَابَ۔ ''اے انس رضی اللہ عنہ کیسے تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مٹی ڈالنا پسند کر لیا۔'' [صحیح بخاری کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاتہ، حدیث ٤٤٦٢]

اُمِّ اَیمن رضی اللہ عنہا اور محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ بَكْرٍ لِعُمَرَ بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اِنْطَلِقْ بِنَا

اِلٰی اُمِّ اَیْمَنَ نَزُوْرُھَا کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَزُوْرُھَا فَلَمَّا اِنْتَھَیْنَا اِلَیْھَا بَکَتْ فَقَالَا لَھَا مَا یُبْکِیْکِ اَمَا تَعْلَمِیْنَ اَنَّ مَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَتْ اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّ مَا عِنْدَ اللّٰہِ خَیْرٌ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَلٰکِنْ اَبْکِیْ اَنَّ الْوَحْیَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَآءِ فَھَیَّجَتْھُمَا عَلَی الْبُکَاءِ فَجَعَلَا یَبْکِیَانِ مَعَھَا.

''حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ابو بکر صدیق ﷺ نے حضرت عمر ﷺ سے کہا کہ چلو اُمّ ایمن ﷺ کی زیارت کو چلیں جس طرح نبی ﷺ ان کی زیارت کو جایا کرتے تھے، جب اس کے پاس پہنچے تو وہ رو پڑی، انہوں نے پوچھا کیوں روتی ہو؟ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کیلئے بہت بہتری ہے؟ اس نے کہا کہ میں جانتی ہوں کہ اللہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کیلئے بہت بہتریاں ہیں میں تو اس لئے روتی ہوں کہ آسمان سے نزول وحی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے تو یہ بات سن کر ابو بکر صدیق ﷺ اور عمر فاروق ﷺ دونوں ہی اس کے ساتھ رو پڑے۔'' [صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ﷺ باب من فضائل اُمّ ایمن ﷺ حدیث: ۲۴۵۴]

اتباع رسول ﷺ قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار مقامات پر آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کا حکم دیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی اتباع واطاعت میں ہی دنیاوی اور اُخروی کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝

''اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اسے اللہ تعالیٰ

جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔" [النسآء:۱۳]

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا.

"اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری کرے گا تو اس نے بڑی کامیابی پالی۔" [الاحزاب:۷۱]

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

"ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اس لئے بلایا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ ان میں فیصلہ کریں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔ [النور:۵۱]

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. [ال عمران: ۱۳۲]

"اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. [النور: ۵۲]

"اور رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا. [الفتح: ۱۶]

"پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں بہت بہتر بدلہ دے گا۔"

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ.

"جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کیا اس کے بعد کہ انہیں

پورے زخم لگ چکے تھے، ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کیلئے بہت زیادہ اجر ہے۔" [آل عمران:۱۷۲]

وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. [الحجرات:۱۴]

"تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرنے لگو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہ کرے گا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًاo [الاحزاب:۳۱]

"اور تم میں سے کوئی اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا اور نیک کام کرے گا ہم اسے اجر (بھی) دوہرا دیں گے اور اس کیلئے ہم نے بہترین روزی تیار کر رکھی ہے۔"

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا.

"اور اگر تمہاری مراد اللہ اور اس کا رسول ﷺ اور آخرت کا گھر ہے تو (یقین مانو کہ) تم میں سے نیک کام کرنے والیوں کیلئے اللہ تعالیٰ نے بہت زبردست اجر رکھ چھوڑے ہیں۔" [الاحزاب:۲۹]

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًاo

"اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرے وہ ان لوگوں

کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں۔" [النسآء:٦٩]

وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ "اور تمہیں جو کچھ رسول ﷺ دیں لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔" [الحشر:٧]

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۔ "اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔" [الانفال:١]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِااللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا ۔ "مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر (پکا) ایمان لائیں پھر شک نہ کریں۔" [الحجرات:١٥]

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ.

"اے ایمان والو! فرمانبرداری اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول اللہ ﷺ کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔" [النسآء:٥٩]

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ "اور اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی ،صبر و ہمت کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" [الانفال:٤٦]

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ۔ "یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے۔" [الاحزاب:٢١]

نوٹ:۔ یعنی آپ ﷺ کے تمام اقوال، افعال اور احوال مسلمانوں کیلئے واجب الاتباع ہے۔

فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا.

"سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپس کے تمام اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دلوں میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔" [النسآء:٦٥]

وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا.

"جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ ﷺ (کی سنت) کی خلاف ورزی کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے تو ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ پہنچا۔" [النسآء:١١٥]

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ.

"اور میری رحمت سب چیزوں پر محیط ہے میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ جو میرے رسول نبی اُمّی (حضرت محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں۔"

[الاعراف:١٥٦، ١٥٧]

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ

الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ.

''اور جو لوگ ایسے نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام کرتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق (پابندیاں) تھے ان کو دور کرتے ہیں پس جو لوگ اس نبی (حضرت محمد ﷺ) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور (قرآن) کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔'' [الاعراف:۱۵۷]

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ِالَّذِيْنَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۝

''آپ ﷺ کہہ دیجیے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی تمام آسمانوں اور زمین میں ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی زندگی دیتا ہے اور وہی موت دیتا ہے سو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے نبی اُمّی (حضرت محمد ﷺ) پر جو کہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کا اتباع کرو تا کہ تم راہ پر آجاؤ۔'' [الاعراف:۱۵۸]

نوٹ:۔ ان آیات کی طرح قرآن حکیم میں مزید اور بھی ایسی آیات موجود ہیں

جن کے اندر ایسے ہی معانی ومفہوم پائے جاتے ہیں تو طوالت کے خوف کی وجہ سے ہم نے ان کو یہاں نقل نہیں کیا۔ تو بات کا خلاصہ یہی نکلا کہ آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت میں ہی ہر مسلمان کیلئے دنیا و آخرت میں کامیابی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کی توفیق بخشے یہی اصل صراط مستقیم ہے۔

﴿اتباع سنت کے فوائد﴾

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيلًا ۝

”اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (محمد ﷺ) کی اور اپنے میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول (محمد ﷺ) کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے۔“ [النسآء:۵۹]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول محمد ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ ”اولی الامر“ کا حکم ماننے کی تاکید کی ہے مگر اس کیلئے اطیعوا کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ کہا ”اولی الامر“ ”اپنے میں سے اختیار والے“ اس سے مراد بعض کے نزدیک امراء و حکام اور بعض کے نزدیک علماء و فقہاء ہیں مفہوم کے اعتبار سے دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں اور پھر قیامت تک آنے والے اہل ایمان کو ایک اصول بتایا کہ اگر کسی معاملہ میں تمہارا آپس میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو جب بھی اُمت مسلمہ

اپنے اختلاف کے وقت [فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ] کی طرف رجوع کریں گے تو ان کے آپس میں پیدا شدہ اختلافات اور جھگڑے ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے اور ان کا ایمان بھی سلامت رہے گا۔ اس کی مثال صحابہ ﷺ کے عمل سے ملتی ہے مثلاً نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام ﷺ میں سب سے پہلا اختلاف یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہے کہ نہیں حضرت عمر ﷺ فرمانے لگے: وَاللّٰهِ مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ [بخاری] "اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے ہیں" اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے صحابہ ﷺ کے مجمع کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا:۔

اَلَا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا ﷺ قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ وَقَالَ [اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَيِّتُوْنَ] وَقَالَ [وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ○

"خبردار ہو جاؤ! جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو محمد ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا پھر حضرت ابو بکر ﷺ نے سورہ زمر کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ: اے نبی ﷺ آپ بھی مرنے والے ہیں اور دوسرے لوگ بھی مرنے والے ہیں" اور یہ آیت تلاوت فرمائی کہ "نہیں ہیں محمد ﷺ مگر اللہ کے رسول ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید کر دیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو کوئی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو اچھا بدلہ دیگا۔" [صحیح بخاری]

نوٹ:۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ میں یہ اختلاف ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا ہے کہ نہیں جیسا کہ اوپر کے واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وَاللّٰهِ مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ [بخاری] ''اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے ہیں''۔ اس سے پتہ چلا کہ اختلاف ایک فطری چیز ہے اختلاف کا ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں اسی لئے قرآن نے اس کا حل یہ بتایا ہے کہ ایسے موقعوں پہ اپنے معاملات کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ جو فیصلہ وہاں سے مل جائے اسے خندہ پیشانی سے تسلیم کر لو یہ اتباع سنت کی خوبی ہے جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پیدا ہونے والا اختلاف ختم ہو گیا۔

۲۔ دوسرا اختلاف:۔ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد دوسرا اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو غسل کیسے دیا جائے آپ کے بدن مبارک سے کپڑے اتارے جائیں کہ کپڑوں سمیت ہی غسل دیا جائے کسی خاص بات پر اتفاق نہیں ہوتا تھا تو حاضرین پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی اسی حالت میں غیب سے ایک آواز آئی کہ رسول اللہ ﷺ کو کپڑے پہنے ہوئے ہی غسل دیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:۔

لَمَّا قُبِضَ اخْتَلَفَ اَصْحَابُهٗ فِیْ غُسْلِهٖ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اغْسِلُوْهُ وَعَلَیْهِ ثِیَابُهٗ فَبَیْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اَخَذَتْهُمْ نَفْسَةٌ فَوَقَعَ لِحْیُ كُلِّ اِنْسَانٍ مِّنْهُمْ عَلٰی صَدْرِهٖ قَالَ فَقَالَ قَائِلٌ لَا یَدْرِیْ مَنْ هُوَ اِغْسِلُوْهُ وَعَلَیْهِ ثِیَابُهٗ۔

''کہ نبی کریم ﷺ کا جب انتقال ہوا تو آپ ﷺ کے غسل کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہوا، کسی نے کہا کہ کپڑے پہنے ہوئے حال میں غسل دو اسی حالت میں لوگوں کو اونگھ آ گئی اور ہر ایک کی ٹھوڑی سینے پر جھک گئی کسی کہنے والے نے کہا کہ آپ ﷺ کو غسل دو اسی حال میں کہ آپ ﷺ پر کپڑے ہوں۔'' [طبقات ابن سعد ص ۹۳ ج ۴]

(۳) تیسرا اختلاف:۔ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد تیسرا اختلاف یہ ہوا کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے۔کسی نے کہا کہ بیت المقدس میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا آپ کو مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو جنت البقیع میں دفن کیا جائے، کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کو منبر کے پاس دفن کیا جائے، کسی نے کہا آپ ﷺ کو اس جگہ دفن کیا جائے جہاں آپ ﷺ کھڑے ہو کر امامت کراتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپ ﷺ کا انتقال ہوا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:۔مَا مَاتَ نَبِیٌّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ وَفِیْ رِوَایَةٍ مَا تَوَفَّی اللّٰهُ نَبِیًّا قَطُّ اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ تَقْبَضُ رُوْحَهٗ ۔ ''یعنی جس جگہ نبی کی روح نکلتی ہے اسی جگہ نبی کو دفن کیا جاتا ہے۔'' [طبقات ابن سعد ص:۱۰۴ ج:۴]

نوٹ:۔ نبی ﷺ کی حدیث سنتے ہی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی گردنیں جھکا دیں یہ ہے اتباع رسول ﷺ کے فوائد، اتباع رسول ﷺ پر عمل کیا اختلاف اسی وقت جاتا رہا۔آج اُمت میں اختلاف کا سبب یہی ہے کہ ہم کتاب وسنت کی بجائے قول غیر کو ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے درمیان کشیدگیاں کم ہونے کی بجائے اور زیادہ پیدا ہوتی ہیں جب تک ہم کتاب وسنت کو مضبوطی سے نہیں تھامیں گے ہمارے اختلافات بھی کبھی ختم نہ ہوں گے۔اس کے برعکس صحابہ رضی اللہ عنہم کا رویہ دیکھیں اور اسے اپنائیں ان شاءاللہ سب اختلافات ختم ہو جائیں گے۔رسول اللہ ﷺ کے فرمان اقدس کے سامنے گردن جھکا دیں اپنے اپنے پیشواؤں کی باتوں کو کتاب وسنت پر ترجیح نہ دیں بلکہ ہر معاملہ میں کتاب وسنت کو ترجیح دیں یہی آخری وصیت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے کی تھی:تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا کِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِیِّهٖ ۔ ''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان دونوں پر عمل کرتے رہو گے ہرگز گمراہ نہیں ہو گے ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت۔'' [موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب النھی عن القول فی القدر]

اختلاف کب اور کیسے ختم ہوتا ہے

(۱) حضرت عمر کے سامنے ایک مقدمہ پیش ہوا کہ مقتول شوہر کی دیّت سے اس کی بیوی کو حصہ ملنا چاہئے یا نہیں؟ آپ نے فتوی نفی کا دے دیا، ضحاک بن سنان نے سنا تو منیٰ میں آپ سے ملاقات کی اور کہا کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے ایشم ضیابی کی بیوی کو ایشم کے مارے جانے کے بعد اس کی دیّت میں سے حصہ دینے کا حکم دیا ہے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فتویٰ سے رجوع فرمایا اور حدیث رسول ﷺ کے مطابق فتویٰ دیا۔ [موطا و سنن اربعہ]

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ جس عورت کا شوہر مارا جائے وہ عورت جہاں چاہے اپنی عدت گزارے، آخر آپ کو حدیث رسول ﷺ کی تلاش ہوئی تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ رضی اللہ عنہا بنت مالک نے اپنا واقعہ سنایا کہ میرا شوہر مارا گیا تھا تو میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ میں عدت کہاں گزاروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے شوہر کے گھر پر جب حضرت عثمان نے نبی ﷺ کی حدیث سنی تو پھر اسی کے مطابق فیصلہ کیا، اپنی بات سے رجوع کرلیا۔ [موطا امام مالکؒ]

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ مرتد لوگ لائے گئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو زندہ جلا دینے کا حکم دے دیا جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سنا تو یہ حدیثِ رسول ﷺ پیش کی: قَالَ النَّبِیُّ ﷺ مَنْ بَدَّلَ دِیْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ [ترمذی] ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مرتدین کو تلوار سے قتل کرنا چاہئے۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے درست کہا، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کرلیا۔

نوٹ:۔ اسی طرح کے بہت سے واقعات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ

کرام ؓ کے متعلق کتب حدیث میں موجود ہیں جس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام صحابہ کرام ؓ، تابعین عظام ؒ اور تمام آئمہ دین نے حدیث اور سنت ہی کو مقدم کیا ہے اور اسی پر عمل کرتے رہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ہر معاملہ میں کتاب وسنت کو مشعل راہ بناتے تھے جس کی وجہ سے ان میں پیدا ہونے والا اختلاف ہمیشہ کیلئے مٹ جاتا تھا۔ تمام صحابہ کرام ؓ حدیث رسول ﷺ کی حجت کے قائل تھے اُمت تک حدیث کا تمام تر ذخیرہ صحابہ کرام ؓ کے ذریعے ہی پہنچا ہے اس سے دیگر مذہب کے تمام اصحاب محروم ہیں تو اس سے واضح ہے کہ صحابہ کرام ؓ کو سنت سے محبت اور پیار تھا اور وہ اسے دین ہی سمجھتے تھے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی کو روا نہیں جانتے تھے۔

صحابہ کرام کے فتووں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے فتووں کی بنیاد کتاب وسنت پر رکھتے تھے اگر کسی موقع پر حدیث کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی فتویٰ خلاف سنت صادر ہو جاتا تو جب بھی اس بارہ میں حدیث کا علم ہو جاتا تو وہ اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے اور حدیث پر عمل کرتے بلکہ اپنے فتوے سے علی الاعلان برأت کا اظہار کرتے اور اس میں کسی قسم کا عذر یا شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح یہ تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ صحابہ کرام ؓ کسی فعل کو خلاف سنت ہوتے دیکھ کر اس کے کرنے والے کی راہنمائی سنت رسول ﷺ کی طرف کرتے اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اس کی سرزنش کرتے اور اگر وہ پھر بھی باز نہ آتا تو اس سے مقاطعہ کرتے۔ عبداللہ بن عمر ؓ نے حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمہارا ایک اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے منع نہ کرے“ تو ایک شخص کہنے لگا ہم تو منع کریں گے، عبداللہ فرمانے لگے میں نے تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے اور تو کہتا ہے ہم منع کریں گے، اس کے بعد عبداللہ بن عمر ؓ نے اس شخص سے تاحیات کلام نہیں کیا۔ [صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ج:۱ ص:۳۲۸]

یہ شخص جس نے کہا تھا کہ ہم اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے سے ضرور روکیں گے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اپنا بیٹا بلال تھا۔ [صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ ج:۱ ص:۳۲۸]

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کنکریاں پھینکتے دیکھا تو اسے منع کیا اور فرمایا رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے لیکن وہ باز نہ آیا اور کنکریاں پھینکتا رہا تو عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تجھ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کی ہے لیکن تو باز نہیں آیا میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔ [البخاری مع الفتح ص:۶۰۷ ج:۴]

ان واقعات سے واضح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سنت سے بڑی محبت تھی اور وہ کسی بھی صورت میں اس کی مخالفت برداشت نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وہ روکنے کہ باوجود سنت کی مخالفت سے باز نہ آتا خواہ وہ کتنا قریبی عزیز حتی کہ اپنا بیٹا بھی ہوتا تو اس سے مقاطعہ کر لیتے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سنت سے انحراف اور اس کے ترک کو گمراہی سے تعبیر کرتے تھے۔ لیکن اس کے برعکس تقلید ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے گمراہی کے دروازے کھلتے ہیں، تقلید نے چوتھی صدی ہجری میں مسلمانوں میں اپنے پنجے گاڑھے اس کا حملہ اتنا زور آور تھا کہ اکثریت کو اپنی رو میں بہا کر لے گئی اور اکثر اس کی زد میں آگئے اور اس کا شکار ہو گئے۔ تقلید کی بنیاد تعصب اور جہالت پر تھی جس میں ایک ہی درس دیا گیا کہ مقلد کیلئے بس اس کے امام کا قول کافی ہے قرآن وسنت پر عمل کرنا مقلد کا وظیفہ نہیں بلکہ اس کا وظیفہ اپنے امام کے قول پر عمل کرنا ہے اس نظریہ نے اقوال آئمہ کو حدیث کے بالمقابل لا کھڑا کیا جس سے بہت سے مفاسد پھیلے اور کئی خرابیاں پیدا ہوئیں جیسے جیسے تقلید کا مرض سرایت کرتا گیا کتاب وسنت طاق نسیان ہوتی گئی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی اکثریت مقلدین احناف کی ہے اور تقلید بھی جامد قسم کی، اس لئے کہ یہاں کے مسلمان عموماً اپنے دین کی حقیقی تعلیمات سے ناواقف ہیں

پھر قبر پرستی اور خانقاہی نظام نے اسلامی تعلیمات کا حلیہ ایسا بگاڑا کہ جس سے کتاب وسنت کی حقیقی صورت معدوم ہوگئی۔

﴿اتباعِ رسول ﷺ سے انحراف کا نتیجہ﴾

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا.

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا اسے اللہ ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے منہ پھیر لے گا اللہ اسے دردناک عذاب دے گا۔'' [الفتح:۱۷]

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔'' [الاحزاب:۳۶]

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ.

''لوگو! اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور نافرمانی کرنے سے باز آجاؤ لیکن اگر تم نے حکم نہ مانا تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صاف صاف پیغام پہنچا دینے کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں۔'' [المائدۃ:۹۲]

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ.

''اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر

کردہ حدود سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسے ہی لوگوں کیلئے رسواکن عذاب ہے۔" [النسآء:۱۴]

وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ○ "اور جو اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کرتا ہے پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے، سو اب چکھو اور جان لو کہ کافروں کیلئے جہنم کا عذاب ہی مقرر ہے۔" [الانفال:۱۳، ۱۴]

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ .

"سنو جو لوگ حکم رسول ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہئے کہ کہیں ان پر کوئی زبردست آفت نہ آپڑے یا انہیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔" [النور:۶۳]

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ۔ "اس (قیامت) کے دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے (اور وہ بڑی حسرت اور افسوس سے) کہیں گے کہ کاش ہم اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔" [الاحزاب:٦٦]

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

"اور جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دے لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔" [الحشر:۷]

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ ۔ ”یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ (انہیں) سزا دینے میں بہت شدید ہے۔“ [الحشر:۴]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًاo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًاo

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم فلاں رسول پر تو ایمان لاتے ہیں اور فلاں کا انکار کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ کفر اور ایمان کے درمیان (ایک تیسری) راہ اختیار کریں ایسے ہی لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کافروں کیلئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ [النسآء:۱۵۰،۱۵۱]

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo

”جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا تابعدار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے گو یہ کام مشکل ہے مگر جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے (ان پر کوئی مشکل نہیں) اللہ تمہارے ایمان ضائع نہ کرے گا اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“ [البقرۃ:۱۴۳]

نوٹ:۔ تحویل قبلہ ایک امتحان تھا یعنی پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنایا پھر بیت اللہ کو تاکہ معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کا سچا تابعدار کون ہے قبلہ کی تبدیلی کا حکم آتے ہی سچے

تابعداروں نے نماز کی حالت میں ہی آپ کے ساتھ بیت المقدس سے اپنا منہ ہٹا کر بیت اللہ کی طرف کرلیا اور اپنی وفاداری اور سچی تابعداری کا ثبوت دیا اور جو کوئی بھی آپ ﷺ کی اتباع و اطاعت سے انحراف کرے گا وہ یقیناً دنیا و آخرت میں نقصان اٹھائے گا جیسا کہ جنگ احد میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کرنے سے نقصان اٹھانا پڑا اور کتنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

''اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا کہ تم اس کے حکم سے انہیں اپنے ہاتھوں سے کاٹنے لگے یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے اور کام میں جھگڑنے لگے اور نافرمانی کرنے لگے اس کے بعد کہ اس نے تمہاری چاہت کی چیز دکھا دی تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا پھر تمہیں ان سے پھیرا تاکہ تمہیں آزمائے اور یقیناً اس نے تمہاری لغزش سے درگزر فرمایا، ایمان والوں پر اللہ بڑے فضل والا ہے جبکہ تم چڑھے چلے جا رہے تھے اور کسی طرف توجہ نہ کرتے تھے اور اللہ کے رسول ﷺ تمہیں تمہارے پیچھے سے آوازیں دے رہے تھے پس تمہیں غم پہ غم پہنچایا کہ تم نہ فوت شدہ چیز پر غمگین ہو اور نہ ملی ہوئی چیز پر اداس ہو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔'' [آل عمران:۱۵۲،۱۵۳]

نوٹ:۔ اس آیت کریمہ میں جنگ احد کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی فتحیابی کا وعدہ کیا تھا جو پورا کر کے دکھایا لیکن بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی، آپ ﷺ نے جنگ شروع ہونے سے پہلے چند صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا کہ تم نے اس مورچہ کو یعنی اس جگہ کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑنا ہمیں فتح ہو یا شکست، لیکن جب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے حسب وعدہ فتحیابی سے نوازا تو صحابہ مال غنیمت جمع کرنے لگے اور جن صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا تھا کہ تم نے کسی حالت میں بھی اس جگہ کو نہیں چھوڑنا خوشی کا منظر دیکھ کر وہ بھی اپنی جگہ سے ہٹ گئے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، مخالفین نے دوبارہ حملہ کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا اور یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی۔ تو اس سے پتہ چلا کہ آپ ﷺ کی نافرمانی میں دنیا و آخرت کا خسارہ ہے ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کو بموجب حسرت قرار دیا ہے:۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ٥ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ٥ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ٥

''اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا کہ ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ لی ہوتی ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی شیطان تو انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔'' [الفرقان: ۲۷، ۲۸، ۲۹]

نوٹ:۔ یعنی قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کا نافرمان کہے گا کاش کہ میں

رسول ﷺ کا راستہ نہ چھوڑتا اور مجھے آج یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا جس دن سوائے ذلت و رسوائی کے میرے پاس کچھ نہیں آپ ﷺ کی اطاعت واتباع سے انحراف کرنے والا خسارہ میں ہوگا اور جس شخص نے اس دنیا میں رہتے ہوئے آپ ﷺ کی فرمانبرداری کی وہ اس دن خوش وخرم ہوگا اور اپنی کامیابی کو دیکھ کر باغ باغ ہو جائے گا۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يٰلَيْتَنَا اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا. وَقَالُوْا رَبَّنَا اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا. رَبَّنَا اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝

''اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے حسرت اور افسوس سے کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بزرگوں کی بات مانی جنہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا پروردگار تو ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت نازل فرما۔''

[الاحزاب: ٦٦، ٦٧، ٦٨]

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَبْغَضُ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ ثَلٰثَةٌ مُلْحِدٌ فِي الْحَرَمِ وَ مُبْتَغٍ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَمُطَّلِبُ دَمِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ حَقٍّ لِيُهْرِيْقَ دَمَهُ.

''ابن عباس ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی اللہ کے ہاں سب سے زیادہ مغضوب ہیں (۱) خانہ کعبہ کی حرمت پامال کرنے والا (۲) اسلام میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ (سنت) چھوڑ کر جاہلیت کا طریقہ تلاش کرنے والا (۳) کسی

مسلمان کا ناحق خون طلب کرنے والا تاکہ اس کا خون بہائے۔''

[بخاری بحوالہ مشکوٰۃ ص:۲۱۱ حدیث:۱۳۵]

فقہ الحدیث:۔ حرم میں الحاد کے ارادہ پر بھی سزا ہے لیکن حرم سے باہر صرف ارادہ پر مواخذہ نہیں ہے، اسلام میں جاہلیت کا طریقہ چاہنے والے سے مراد بدعتی ہے کہ جس چیز کو چھوڑ دینے کا اسلام نے حکم دیا ہے وہ اسکی اشاعت چاہتا ہے تو اس میں بدعات کا پیدا کرنا بھی شامل ہے اور اسی مناسبت سیصاحب مشکوٰۃ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔ جاننا چاہئے کہ بدعت شریعت کی نگاہ میں اتنی بڑی اس لئے ہے کہ بدعتی آدمی جب کوئی بدعت پیدا کرتا ہے تو اس کو دین کا جزو بنا دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دین میں پہلے اتنی کمی تھی جواب میں نے پوری کردی ہے یعنی یہ ایک ایسی بات تھی جس کا خیال نہ تو اللہ تعالیٰ کو آیا اور نہ رسول اللہ ﷺ کو اور اب میں اس کمی کو پورا کررہا ہوں، اولاً تو یہ الزام ایک بدترین الزام ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے آج کے دن تمہارا دین مکمل کردیا اور بدعتی کہتا ہے کہ یہ غلط ہے دین کب مکمل ہوا تھا اس میں تو یہ کسر رہ گئی تھی جو میں اب پوری کررہا ہوں، دوسری یہ بات بھی فوراً سمجھ میں آجاتی ہے کہ بدعتی کا طرز عمل یہ بتاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ کچھ اوامر ونواہی مقرر کرے یا جس طرح رسول کو حق ہے کہ بعض چیزوں کو حلال یا حرام کرے ویسے ہی مجھے بھی حق ہے کہ دین کے نام سے اوامر اور نواہی جاری کروں اور حرام وحلال کی حدیں مقرر کروں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔'' [البغوی فی شرح السنۃ :۱/۲۱۲، ۲۱۳ کتاب الایمان باب رد البدع والاھواء]

حضرت سلمہ بن اکوع ﷛ سے روایت ہے کہ ان کے باپ نے انہیں بتایا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس آدمی نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کر سکتا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اچھا اللہ کرے) تجھ سے ایسا نہ ہو سکے۔" اس شخص نے محض تکبر کی وجہ سے یہ بات کہی تھی (حالانکہ کوئی شرعی عذر نہ تھا) راوی کہتے ہیں کہ وہ شخص کبھی بھی اپنا دایاں ہاتھ منہ تک نہ اٹھا سکا۔" [صحیح مسلم کتاب الاشربہ باب آداب الطعام والشراب واحکامھا]

اطاعت واتباع میں صحابہ ﷡ ایک مثالی نمونہ ہیں

صحابہ کرام ﷡ کی زندگیوں پر نظر ڈالیں تو آدمی حیران وششدر رہ جاتا ہے کہ کیسے انہوں نے اتباع رسول ﷺ کا حق ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے غور سے نہ دیکھا ہو اور پھر اپنے آپ کو اس کے مطابق ڈھال نہ لیا ہو۔ ذیل میں ہم ان چند واقعات کا تذکرہ کرتے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ صحابہ کرام ﷡ نے کس طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی:۔

(۱) حضرت ابو سعید خدری ﷛ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام ﷡ کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دوران نماز آپ ﷺ نے جوتے اتار کر بائیں جانب رکھ دیئے جب صحابہ کرام ﷡ نے دیکھا تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، رسول اللہ ﷺ نے نماز ختم کی تو دریافت کیا تم لوگوں نے جوتے کیوں اتارے؟ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا: ہم نے چونکہ آپ ﷺ کو جوتے اتارتے دیکھا لہذا ہم نے بھی اپنے جوتے اتار دیئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے جبرئیل ﷤ نے آکر بتایا تھا کہ میرے جوتوں میں غلاظت ہے (لہذا میں نے اتار دیئے)، پھر آپ ﷺ نے صحابہ کو نصیحت فرمائی "جب مسجد میں نماز کیلئے آؤ تو

پہلے اپنے جوتوں کو اچھی طرح دیکھ لو کہ ان میں غلاظت تو نہیں اگر ہے تو اسے صاف کر لو اور پھر ان میں نماز پڑھو۔" [سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ باب الصلاۃ فی النعل]

(۲) "حضرت انس ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: (گھریلو) گدھے کھائے گئے، نبی کریم ﷺ خاموش رہے، وہ شخص دوسری مرتبہ حاضر ہوا اور پھر یہی بات کہی آپ ﷺ پھر خاموش رہے، تیسری مرتبہ وہی شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: (گھریلو) گدھوں کو ختم کر دیا گیا" رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں یہ اعلان کر دیا: بے شک اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول ﷺ گھریلو گدھوں (کے کھانے) سے روکتے ہیں۔ اسی وقت ہانڈیوں کو ابلتے اور جوش مارتے ہوئے گوشت سمیت زمین پر انڈیل دیا گیا۔"

[صحیح بخاری، کتاب الذبائح والصید باب لحوم الحمر الانسیۃ: ۵۵۲۸]

نوٹ:۔ آنحضرت ﷺ کا حکم سنتے ہی صحابہ کرام نے اس کی تعمیل کی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اتباع اسی وقت ممکن ہے جب اپنی خواہشات محبوب کے تابع کر دی جاتی ہیں

(۳) "حضرت زید بن اسلم ﷺ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ بن خطاب نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا: اللہ کی قسم میں جانتا ہوں تو ایک پتھر ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے اگر میں نے نبی اکرم ﷺ کو استلام (حجر اسود کو ہاتھ لگا کر بوسہ دینا) کرتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے کبھی نہ چومتا، پھر آپ ﷺ نے استلام کیا پھر فرمایا اب ہمیں رمل کرنے کی کیا ضرورت ہے، رمل تو مشرکوں کو دکھانے کیلئے تھا اب اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا ہے، پھر خود ہی فرمایا: لیکن رمل تو وہ چیز ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور سنت کو چھوڑنا ہمیں پسند نہیں" [صحیح بخاری کتاب الحج باب الرمل فی الحج والعمرۃ: ۱۶۰۵]

(۴) "حضرت معاویہ بن قرہ اپنے والد قرہ ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ

کے پاس حاضر ہوا پھر میں نے آپ کی بیعت کی میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی قمیض کا بٹن کھلا تھا، راوی عروہؒ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں معاویہ اور ان کے بیٹے کو قمیض کے بٹن باندھے ہوئے گرمیوں اور سردیوں میں کبھی نہیں دیکھا۔"

(۵) "حضرت زید بن اسلمؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو کھلے بٹنوں کے ساتھ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو میں نے ان سے پوچھا آپ ایسا کیوں کرتے ہیں تو عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی نماز پڑھتے دیکھا ہے۔" [سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب فی حل الازار::۴۰۸۲]

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی تو صحابہ کرام نے بھی آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی انگوٹھیاں بنوالیں (اس کے بعد مرد کیلئے سونا حرام ہوگیا) آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے سونے کی انگوٹھی بنوائی تھی (تم نے بھی بنوالیں) چنانچہ آپ ﷺ نے انگوٹھی اتار پھینکی اور فرمایا: اب میں اسے کبھی استعمال نہیں کروں گا" (آپ ﷺ کی اتباع میں) صحابہ کرامؓ نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں۔" [صحیح بخاری، کتاب اللباس باب خاتم الفضة:۵۸۶۷]

(۷) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم میں سے کوئی سونے کی انگوٹھی پہن کر گویا آگ کے انگارے پر چلنے کا قصد کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا انگوٹھی اٹھالو اس سے کوئی دوسرا فائدہ حاصل کرلو (یعنی اپنی بیوی یا بہن کو دے دو یا فروخت کردو) صحابی نے کہا: اللہ کی قسم جس انگوٹھی کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے میں اسے کبھی نہ اٹھاؤں گا۔"

[صحیح مسلم کتاب اللباس والزینة باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال:۵۴۷۲]

(۸) حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور رومیوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا (معاہدے کی مدت ختم ہونے سے پہلے ہی) معاویہ نے رومی سرزمین کی طرف روانہ ہونا شروع کیا تاکہ مدت معاہدہ ختم ہوتے ہی ان پر یلغار کر دیں اسی وقت ایک شخص گھوڑے یا کسی اور سواری پر یہ الفاظ کہتے ہوئے نمودار ہوا [اللہ اکبر اللہ اکبر، وفا کرو بے وفائی نہ کرو] لوگوں نے دیکھا تو وہ عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بلا کران سے بات کی اور سبب دریافت کیا، انہوں نے جواب دیا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ مدت پوری ہونے تک ان میں کمی بیشی نہ کرے یا انہیں معاہدے کے ختم کرنے کے بارے میں پیشگی اطلاع دے (رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) معاویہ رضی اللہ عنہ واپس پلٹ گئے۔"

[سنن ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی االامام یکون بینہ وبین العدو عہد فیسیر نحوہ۔ ترمذی کتاب السیر باب ماجاء فی العذر: ۱۵۸۰]

(۹) رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انتہائی سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑا، قبائل عرب مرتد ہو گئے اور انہوں نے مرکز اسلام مدینہ طیبہ پر حملے کا ارادہ کیا بقول حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس وقت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ایسی بکریوں کی مانند تھے جن کا چرواہا نہ رہا ہو اور مدینہ اپنے رہنے والوں پر اس قدر تنگ ہو چکا تھا جس طرح انگوٹھی اپنے پہننے والے کی انگلی میں تنگ ہو جاتی ہے، ایسے نازک اور مشکل حالات میں لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی کا معاملہ سامنے آیا اس لشکر کو رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے دور رومیوں کے علاقے میں ان سے جہاد کرنے کیلئے تیار کیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ کی بیماری اور پھر انتقال کے باعث لشکر کوچ نہ کر سکا تھا، ان پُر خطر اور نازک حالات میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو عملی جامہ پہنانے کیلئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگے بڑھے آپ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس

کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے اگر میں سمجھوں کہ لشکر اسامہ کو روانہ کرنے کی صورت میں درندے مجھے اچک کر لے جائیں گے تب بھی میں لشکر اسامہ کو اسی طرح روانہ کروں گا جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو روانگی کے وقت اس بات کی خصوصی تلقین کی کہ: اسامہ اپنے لشکر کے ساتھ اسی جانب جانا جس طرف جانے کا تمہیں حکم دیا گیا تھا پھر اسی مقام پر حملہ کرنا جہاں حملہ کرنے کا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔'' [البدایۃ والنہایۃ ص:۳۰۴ ج:۶]

(۱۰) حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر ایک گروہ کو فضیخ نامی شراب پلا رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے ایک منادی کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ اعلان کرے: سنو! بے شک شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا : ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا: یہ شراب باہر انڈیل دو، میں اٹھا اور شراب کو باہر انڈیل دیا۔ (گلیوں میں کثرت شراب انڈیلنے کی وجہ سے) شراب گلیوں میں بہنے لگی۔''

[صحیح بخاری کتاب المظالم باب صب الخمر فی الطریق: ۲۴۶۴]

نوٹ:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو آپ ﷺ کی اتباع کے نمونے پیش کئے ہیں رہتی دنیا تک ان کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتا، چشم فلک نے ان کا منظر دیکھا اور تاریخ نے انہیں اپنے اوراق میں سمیٹا۔

(۱۱) ابراہیم تیمی سے روایت ہے انہوں نے سنا اپنے باپ (یزید بن شریک تیمی) سے انہوں نے کہا ہم حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، ایک شخص بولا اگر میں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں ہوتا تو جہاد کرتا آپ ﷺ کے ساتھ اور کوشش کرتا لڑنے میں، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو ایسا کرتا (یعنی تیرا کہنا معتبر نہیں ہو سکتا کرنا اور ہے اور کہنا اور ہے صحابہ

کرام ﷺ نے جو کوشش کی تو اس سے بڑھ کر نہ کر سکتا) تم دیکھو ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ احزاب (جمع ہے حزب کی حزب کہتے ہیں گروہ کو اس جنگ کو جو ۵ ہجری میں ہوئی غزوہ احزاب کہتے ہیں اس لئے کہ کافروں کے بہت سے گروہ حضرت محمد ﷺ سے لڑنے کو آئے تھے) کی رات کو جمع تھے اور ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور سردی بھی خوب چمک رہی تھی اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص ہے جو جا کر کافروں کی خبر لاوے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے گا، یہ سن کر ہم لوگ خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا (کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایسی سردی میں رات کو خوف کی جگہ میں جاوے اور خبر لائے حالانکہ صحابہ کی جانثاری اور ہمت مشہور ہے)، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص ہے جو کافروں کی خبر میرے پاس لائے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن میرے ساتھ رکھے گا، کسی نے جواب نہ دیا سب خاموش رہے، آخر آپ ﷺ نے فرمایا: اے حذیفہ اٹھ اور کافروں کی خبر لا، اب مجھے کچھ نہ بنا کیونکہ آپ نے میرا نام لے کر حکم دیا جانے کا، آپ ﷺ نے فرمایا: جا اور خبر لے کر آ کافروں کی اور مت اکسانا ان کو مجھ پر (یعنی ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے) ان کو غصہ آئے اور وہ تجھ کو ماریں یا لڑائی پر مستعد ہوں، جب میں آپ ﷺ کے پاس سے چلا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی حمام کے اندر چل رہا ہے (یعنی سردی وغیرہ بالکل کافور ہوگئی بلکہ گرمی معلوم ہوتی تھی یہ آپ ﷺ کی دعا کی برکت تھی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت پہلے تو نفس کو ناگوار ہوتی ہے لیکن جب مستعدی سے شروع کر دے تو بجائے تکلیف کے لذت اور راحت حاصل ہوتی ہے یہاں تک کہ میں کافروں کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ ابوسفیان اپنی کمر کو آگ سے سینک رہا ہے میں نے تیر کمان پر چڑھایا اور قصد کیا مارنے کا پھر مجھے رسول اللہ ﷺ کی بات یاد آ گئی ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے ان کو غصہ پیدا ہو اگر میں مار دیتا تو بے

شک ابوسفیان کو لگتا آخر میں لوٹا پھر مجھے ایسا معلوم ہوا کہ حمام کے اندر چل رہا ہوں، جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور سب حال کہہ دیا اس وقت سردی محسوس ہونے لگی (یہ آپ ﷺ کا بڑا معجزہ تھا) پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنا ایک کمبل اوڑا دیا جس کو اوڑھ کر آپ ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے میں اس کو جو اوڑھ کر سویا تو صبح تک سوتا رہا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو بہت سونے والے۔"

[صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب غزوۃ الاحزاب ج ۵ ص ۶۸ مترجم]

اتباع رسول ﷺ اور آئمہ سلف

بعض لوگ آئمہ سلف بالخصوص آئمہ اربعہ کے اقوال کو وہ مقام و مرتبہ دیتے ہیں جو درحقیقت حدیث رسول ﷺ کا مقام و مرتبہ ہے جبکہ ان تمام آئمہ کرام وفقہاء عظام میں سے ہر ایک نے خود اس بات کی وضاحت فرمادی ہے کہ ان کے اقوال دین میں حجت نہیں بلکہ دین میں حجت صرف اور صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے ذیل میں ہم آئمہ اربعہ و سلف کے اقوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ سنت رسول ﷺ کے بارے میں ان کا موقف کیا تھا؟

(۱) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَھُوَ مَذْھَبِیْ
"جب صحیح حدیث ہو تو میرا مذہب وہی ہے" [ردالمحتار: علی درالمختار ج:۱ص:۶۳]

پھر فرماتے ہیں: لَا یَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ یَّاخُذَ بِقَوْلِیْ مَالَمْ یَعْلَمْ مِنْ اَیْنَ قُلْتُهٗ.
"کسی کیلئے یہ حلال نہیں کہ وہ ہمارے قول کے مطابق عمل کرے جب تک کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے" [مقدمۃ عمدۃ الرعایہ شرح الوقایہ ج ۱ص ۹]

ایک مقام پر تو امام ابوحنیفہؒ نے یہاں تک فرمایا:۔ اِذَا قُلْتُ قَوْلاً یُخَالِفُ کِتَابُ اللّٰهِ تَعَالٰی وَ خَبَرَ الرَّسُوْلِ ﷺ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ۔ "جب میرا قول کتاب اللہ

اور حدیث رسول ﷺ کے خلاف ہو تو میرے قول کو ترک کر دو۔" [عقد الجید ص:۵۳]

ایک اور قول امام ابو حنیفہؒ کا یہ بھی ہے:۔ اگر سنتیں نہ ہوں تو ہم سے کوئی قرآن حکیم کا فہم نہ حاصل کر سکتا۔"

قول ابو حنیفہؒ:۔ لوگ اس وقت تک خیر و فلاح میں رہیں گے جب تک ان میں حدیث کے طالب موجود رہیں گے اور جب وہ بغیر حدیث کے عمل کریں گے تو فساد اور بگاڑ میں مبتلا ہو جائیں گے۔" [فقہ اسلامہ کا تاریخی پس منظر ص:۹۸]

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام مالکؒ سے مروی ہے: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِیْبُ فَانْظُرُوْا فِیْ قَوْلِیْ فَکُلُّ مَا وَافَقَ الْکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ فَخُذُوْا بِہٖ وَمَا لَمْ یُوَافِقِ الْکِتَابَ وَالسُّنَّۃَ فَاتْرُکُوْہُ۔ "میں بھی ایک انسان ہوں میری بات غلط بھی ہو سکتی ہے اور صحیح بھی لہذا میری رائے کو دیکھ لیا کرو جو کتاب و سنت کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کتاب و سنت کے مطابق نہ ہو اسے ترک کر دو۔" [اعلام الموقعین ج:۱ ص:۷۵ فی ذکر اقوال التابعین فی ذم الرایٔ]

مَا مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَھُوَ مَأْخُوْذٌ مِنْ مَلَامِہٖ وَ مَرْدُوْدٌ عَلَیْہِ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰہِ "رسول اللہ ﷺ کے سوا باقی ہر انسان کی بات کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور رد بھی کیا جا سکتا ہے۔" [حجۃ اللہ البالغۃ ج:۱ ص:۱۵۷]

"ہر وہ چیز جو کتاب و سنت کے موافق ہو اسے قبول کر لو اور جو مخالف ہو اسے چھوڑ دو۔" [فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص:۹۸]

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ:۔ "مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کسی پر رسول اللہ ﷺ کی سنت پہنچ جائے تو پھر اس کیلئے کسی قول کی وجہ سے اس کو چھوڑنا جائز نہیں ہے۔" [فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر:۹۸]

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:۔ اَجْمَعَ النَّاسُ عَلٰی اَنَّ مَنِ اسْتَبَانَتْ لَهٗ سُنَّةٌ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَمْ یَکُنْ لَهٗ اَنْ یَّدَعَهَا لِقَوْلِ اَحَدٍ مِنَ النَّاسِ۔

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی سنت واضح ہو جائے تو اس کیلئے مناسب نہیں کہ لوگوں میں سے کسی کے قول کی وجہ سے سنت رسول ﷺ کو چھوڑ دے۔[اعلام الموقعین ج:۲ ص:۲۶۳]

اِذَا وَجَدْتُمْ فِیْ کِتَابِیْ خِلَافَ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقُوْلُوْا بِسُنَّةِ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَدَعُوْا مَا قُلْتُ۔

''جب تم میری کسی کتاب میں کوئی بات رسول اللہ کی سنت کے خلاف پاؤ تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو اختیار کر لو اور میری بات کو چھوڑ دو۔''[اعلام الموقعین ج۲ص ۲۶۶]

آپؒ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:۔

اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ ''جب صحیح حدیث ہو تو میرا مذہب بھی وہی ہے۔'' [اعلام الموقعین ج۲ص ۲۶۷۔ حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ص:۱۵۱]

ایک دفعہ امام شافعیؒ نے امام احمدؒ کی خدمت میں عرض کیا:۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِالْاَخْبَارِ الصَّحِیْحَةِ مِنَّا فَاِذَا کَانَ خَبَرٌ صَحِیْحٌ فَاَعْلِمُوْنِیْ حَتّٰی اَذْهَبَ اِلَیْهِ کُوْفِیًّا کَانَ اَوْ بَصْرِیًّا اَوْ شَامِیًّا۔

''آپ کو میری نسبت حدیث اور رجال کا زیادہ علم ہے لہذا آپ کی تحقیق کے مطابق کوئی حدیث صحیح ہو تو مجھے بھی بتا دیا کریں خواہ وہ کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی، تاکہ حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں میں بھی اس کے مطابق عمل کروں۔''

[حجۃ اللہ البالغہ ج۱ص ۱۴۷]

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب کسی پر رسول اللہ ﷺ کی سنت پہنچ جائے تو پھر اس کیلئے کسی قول کی وجہ سے اس کو چھوڑنا جائز نہیں۔''

[فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ص:۹۸]

امام شافعیؒ تو یہاں تک فرمایا کرتے تھے:۔

اِذَا رَوَیْتُ عَنْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَدِیْثًا وَلَمْ احد بِہٖ فَاعْلَمُوْا اَنَّ عَقْلِیْ قَدْ ذَھَبَ۔ ''جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث بیان کروں اور اس کو اپنا مذہب نہ بناؤں تو جان لو کہ میری عقل جواب دے گئی ہے۔''

[اعلام الموقعین ۲/۲۶۳، آداب شافعی، ابن ابی حاتم ص:۹۳]

مَا قُلْتُ وَقَدْ کَانَ النَّبِیّ ﷺ قَدْ قَالَ بِخِلَافِ قَوْلِیْ مِمَّا یَصِحُّ فَحَدِیْثُ النَّبِیِّ ﷺ اَوْلٰی لَا تُقَلِّدُوْنِیْ۔

''میری وہ بات جس کے خلاف نبی ﷺ کا فرمان صحیح سند سے ثابت ہو تو میری تقلید نہ کرو بلکہ نبی ﷺ کے فرمان پر عمل کرو۔'' [اعلام الموقعین ج:۲ص:۲۶۶]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ''عقد الجید'' میں فرماتے ہیں:۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ: جب تمہارے پاس میرے قول کے خلاف کوئی حدیث صحیح پہنچ جائے تو اس کی پیروی کرو اور خوب جان لو کہ وہی میرا مذہب ہے۔''

''یہ بات صحت کو پہنچی ہوئی ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے تھے: جب تمہیں میرے مذہب کا کوئی مسئلہ پہنچے اور حدیث رسول ﷺ اس کی مخالف ہو تو جان لو کہ میرا مذہب حدیث کے مطابق ہے۔'' [عقد الجید ص:۵۴]

(۴) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ:۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔

لَا تُقَلِّدْنِيْ وَلَا تُقَلِّدَنَّ مَالِكًا وَلَا الْاَوْزَاعِيَ وَلَا النَّخْعِيَّ وَلَا غَيْرَ هُمْ وَخُذِ الْاَ حْكَامَ مِنْ حَيْثُ اَخَذُوْامِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ .

''میری تقلید نہ کرو نہ مالکؒ، اوزاعیؒ اور نخعیؒ کی تقلید کرو جہاں سے انہوں نے دین لیا ہے تم بھی وہاں سے یعنی کتاب وسنت سے دین حاصل کرو۔''

[حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ص:۱۵۷، المبحث السابع۔عقد الجید ص:۱۲۳]

اسی طرح آپؒ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: مَنْ رَدَّ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَهُوَ عَلٰى شَفَا هَلَكَةٍ ۔ ''جو شخص رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کردے وہ تباہی وہلاکت کے کنارے پر ہے۔'' [المناقب، لاامام الاحمد بن حنبل ابن جوزی ص:۱۸۲]

امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث کی موجودگی میں کسی کا قول حجت نہیں۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ امام احمدؒ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قول کے مقابلے میں کسی کی بات حجت نہیں، نہ میری پیروی کیجئے نہ امام مالک کی، نہ اوزاعی کی اور نہ نخعی کی اور وہاں سے احکام اخذ کیجئے جہاں سے انہوں نے لئے ہیں یعنی قرآن وسنت سے''

[حجۃ اللہ البالغہ ج:۱ص:۱۵۷، المبحث السابع، عقد الجید ۱۲۳]

''جس نے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ ہلاکت کے کنارے پر آگرا۔'' [فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص:۹۸]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(۱) مشہور تابعی امام زہریؒ فرماتے ہیں: ہم سے پہلے گزرنے والے علماء فرماتے تھے کہ سنت کو مضبوطی سے پکڑنے میں نجات ہے۔[سنن الدارمی:۹۷]

(۲) تابعی عبداللہ بن فیروز الدیلمیؒ فرماتے ہیں: مجھے پتا چلا ہے کہ دین کے خاتمے کی ابتداء ترکِ سنت سے ہوگی۔" [سنن الدارمی:۹۸ وسندہٗ صحیح]

یاد رہے کہ حجت ہونے کے لحاظ سے حدیث اور سنت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں جیسا کہ سلف صالحین اور اصولِ حدیث سے ثابت ہے لہٰذا جو شخص حدیثِ صحیح کا تارک ہے وہ سنت کا بھی تارک ہے، نبی کریم ﷺ نے تارکِ سنت پر لعنت بھیجی ہے۔

[دیکھئے: سنن الترمذی:۲۱۵۴ وسندہٗ صحیح]

(۳) جلیل القدر تابعی امام حسان بن عطیہؒ نے فرمایا: جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان سے سنتیں اٹھا لیتا ہے پھر وہ سنتیں قیامت تک ان کے پاس واپس نہیں آتیں۔" [سنن الدارمی:۹۹ وسندہٗ صحیح]

(۴) مشہور جلیل القدر تابعی امام اور فقیہہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید الجرمیؒ نے فرمایا: بدعتی لوگ گمراہ ہیں اور میں یہی سمجھتا ہوں کہ وہ جہنم میں جائیں گے۔"

[سنن الدارمی:۱۰۱ وسندہٗ صحیح]

(۵) یاد رہے کہ شریعت میں بدعات کا تعلق ایجادات سے ہے جن کا بغیر ادلۂ شرعیہ کے دین میں اضافہ کیا گیا ہے، رہی دنیاوی ایجادات تو ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ حدیث (أنتم اعلم بأمر دنیاکم ، تم دنیا کے معاملات زیادہ جانتے ہو۔ صحیح مسلم: ۲۳۶۳، دارالسلام) کی رو سے وہ تمام دنیاوی ایجادات جائز ہیں جن کے ذریعے سے شریعت پر کوئی زد نہیں آتی۔

(۶) حمص شام کے تبع تابعین میں سے ثقہ امام ابوزرعہ یحیی بن ابی عمر السیبانیؒ (متوفی ۱۴۸ھ) فرماتے ہیں: یہ کہا جاتا تھا کہ بدعتی کی توبہ اللہ قبول نہیں کرتا اور (دوسری بات یہ ہے کہ) بدعتی ایک بدعت چھوڑ کر اس سے زیادہ بری بدعت میں داخل ہو جاتا ہے۔

[کتاب البدع والنہی عنہا: ۱۴۴ وسندہ حسن]

معلوم ہوا کہ اگر کوئی بدعتی اپنی بدعت سے لوگوں کے سامنے توبہ بھی کر لے تو پھر بھی کافی عرصے تک اسے زیر نگرانی رکھنا چاہئے کیونکہ عام اہل بدعت کا یہی دستور ہے کہ وہ ایک بدعت سے نکل کر دوسری خطرناک بدعت سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

(آخری کلام نمبر ۱ تا ۶ ماخذ ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو اٹک)

☆☆ تمت بالخیر ☆☆

العبد الضعیف

حافظ محمد شعیب سیالکوٹی

28 جون 2011ء
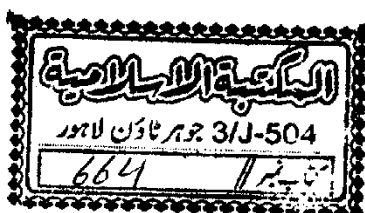
مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان میدان حرب میں محاذ
آرائی ایک تاریخی حقیقت ہے جو کسی نہ کسی صورت میں
بدستور جاری ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ اہل حق سے ٹکر لینے
والوں کی مثال تو اس سیلاب کی طرح ہے جو خود تو کسی چٹان
کے ساتھ مزاحم ہو کر پاش پاش ہو جاتا ہے مگر چٹان کو ذرہ بھر
جنبش تک نہیں ہوتی۔ (شعیب)

مصنف کی دیگر تصانیف